ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق

HRCP

Registered No. CPL-13 (قیمت 10 روپے) جلد نمبر 28 ...... شمارہ نمبر 12 ...... دسمبر 2021

محمد زمان خان 1946-2021

انسانی حقوق کی تحریک کا ایک اور باب ختم ہوا

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:							
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال				مہینہ		تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں				محلّہ		
	ڈاک خانہ				تحصیل وضلع		
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں				نہیں		
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)							
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اوراس کی مختصر تفصیل							
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ				

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کارکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	1-			
	2-			
	3-			
10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ	

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	1-			
	2-			
	3-			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جوانسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

کُھلا خط: افغان مہاجرین کی صورتِ حال نظرانداز نہیں کی جاسکتی

ڈاکٹرعارف علوی

صدراسلامی جمہوریہ پاکستان

محترم شیخ رشیداحمد

وزیرِ داخلہ حکومتِ پاکستان

22نومبر2021

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آرسی پی) ریاست سے مطالبہ کرتا ہے کہ ملک میں افغان مہاجرین کی حالتِ زار کا مداوا کیا جائے جو جامع پالیسی یا قانون کے فقدان کے سبب یکسر نظرانداز ہورہے ہیں۔

وزیرِاعظم کے اعلانیہ اعلانات کے برعکس، سرحد پار نقل وحرکت پرنئی اور بے جا پابندیوں کی بدولت افغان شہری بے یارومددگارخوار ہورہے ہیں۔قواعدوپالیسی کا یہ مکمل فقدان غیرمنصفانہ ہےاوراس سے حالیہ پُرخطر حالات میں توازن قائم ہونے کی بجائے دونوں ممالک کے درمیان تناؤ بڑھے گا۔لہذا، ایچ آرسی پی کا مطالبہ ہے کہ ریاست درج ذیل اقدامات کرے تاکہ موجودہ گھمبیرحالات کوکسی بڑے تباہ کن انسانی بحران میں تبدیل ہونے سے بچایا جاسکے:

انسانی حقوق پرمبنی شفاف پالیسی کی تشکیل

تاریخی طورپر، پارلیمان نے افغان مہاجرین کی صورتحال پرکبھی بھی گفتگونہیں کی اوریوں یہ معاملہ فوج کی عملداری میں آگیا جہاں پالیسیاں خفیہ طریقہ کار کے تحت ہی تشکیل پاتی رہی ہیں۔بالکل اسی طرح،اس معاملے پرعوامی بحث مباحثے کویکسر رد کیا گیااور 'خفیہ بریفنگز' کا اہتمام ہوتا رہا جو ایچ آرسی پی کے خیال میں ناقابلِ قبول ہیں۔پاکستان میں افغان مہاجرین اورشہریوں کے بندوبست پرقومی پالیسی اختیار کرنے کا کابینہ کا 2017 کا فیصلہ بحال کیا جائے، اورکُل اراکین پرمشتمل پارلیمانی کمیٹی کوسول سوسائٹی کی تنظیموں کے ساتھ مشاورت کرکے اِس معاملے سے نبٹنے کے لیےکوئی ایسی ٹھوس پالیسی وضع کرنی ہوگی جوانسانی حقوق اورجنگی جرائم کی مطابقت میں ہو۔اِس پالیسی کونافذ کرنے سے قبل پارلیمان میں بھی پیش کیا جائے تاکہ اس پرانتہائی ضروری بحث اورگفتگو ہوسکے۔

افغان نمائندگان اورمہاجرین کاموٴقف سُنا جائے

اِس بحران سے نبٹنے کےطریقہ کار کے بارے میں نچلی سطحوں خاص طورپرسرحد پرگشت کرنے والی فورسز اور پولیس میں ابہام پایا جاتا ہے۔سرحد سے ملنے والی کئی اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام مہاجرین سے بھتہ وصول کررہے ہیں،بعض کوترجیحی سلوک سے نوازرہے ہیں، داخلے سے انکارکررہےاور یہاں تک کہ اُنہیں تشدد کا نشانہ بنارہے ہیں۔مہاجرین کے خیموں میں حفظانِ صحت کانظام ناقص ہےاورمہاجرین کومقامی انتظامی حکام اورکمیونٹیوں کی ہراسانی اورنفرت انگیزسلوک کا سامنا ہے۔

میزبان کمیونٹیوں کے مفادات اورنقطہ نظر کومدِنظر رکھنا ضروری ہے مگر اِس طرح کے ناروا سلوک سے مہاجرین خاص طورپر بچوں پرذہنی دباؤ اورتکلیف میں اضافہ ہوگا۔غیرضروری طورپرمشکل کاغذی کارروائی کی شرائط میں آسانی لائی جائے،اُن کے رہن سہن کے حالات کوپُروقار بنایا جائے اوانہیں مزید محفوظ اورشمولیتی ماحول فراہم کیا جائے۔یہ صرف تب ہی ممکن ہوگا اگرریاست افغان نمائندگان اورمہاجرین کے موٴقف کویکسر رد کرنے کی بجائے اُن کے تحفظات کوسنجیدہ لے۔

پاکستان کومعاہدوں، پروٹوکولزاوراپنی ماضی کی نظیرکی پاسداری کرنی ہوگی

پاکستان کومہاجرین کنونشن 1951 اوراُس کے پروٹوکول کی توثیق کرنی ہوگی اوراِن ذمہ داریوں کی روشنی میں قومی ومقامی قانون سازی کرنا ہوگی۔مزید برآں، پاکستان کوافغان مہاجرین قبول کرنے کی اپنی ماضی کی نظیر کا لحاظ رکھنا ہوگا اور یواین ایچ سی آر، افغانستان اور پاکستان کے مابین سہ فریقی معاہدے کی تعمیل کرنی ہوگی جس کی رُو سے مہاجرین کی وطن واپسی صرف رضا کارانہ بنیادوں پرہی ہونی چاہیے۔

فہرست

پریس ریلیزیں 03

ایچ آرسی پی کے سیکرٹری جنرل کی رپورٹ 06

افکارکاخزانہ 09

نسرین انجم بھٹی: طبقاتی جدوجہد فکری آزادی اور انسانی حقوق کے حصول کی جنگ کا استعارہ 10

بھارت میں ڈکٹیٹرشپ آگئی توخطےکی سیاست بدل جائے گی:بھارتی دانشوررومیلاتھاپرکےساتھ ایک نشست 11

منظورپشتین کی گرفتاری کیخلاف احتجاج کرنے پر گرفتارہونے والے 74 سالہ بزرگ کی آپ بیتی، کب کیا ہوا؟ 13

سماج:وقت پرلگا ٹانکا 14

طلباء سیاست اوربلوچ طلباء 15

فیمیسائیڈ کی تفتیش: جی آئی جے این کی گائیڈ 16

گلگت بلتستان میں تقریباً50ہزار بچے چائلڈ لیبر میں ملوث ہیں 19

صحافیوں کے قومی کنونشن کے مطالبات 22

مہاجرین کی نوآبادکاری کا عمل تیز کیا جائے

افغان شہریوں کو افغانستان میں رہتے ہوئے وزارتِ داخلہ اسلام آباد سے اجازت نامے یا کارڈ حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے جو کہ حقیقی معنوں میں ناقابلِ عمل ہے۔ ایچ آر سی پی کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ مہاجرین کے سفر کو محفوظ بنانے اور پناہ کے طلب گاروں کو ویزوں کے فوری اجراء کے لیے درکار دستاویز سازی کے عمل میں تیزی لائی جائے۔ حکومت کو اِس معاملے پر یو این ایچ سی آر سے بھی مشاورت کرنی چاہیے تاکہ بغیر کسی تاخیر کے آسان اور مؤثر رجسٹریشن پالیسی شروع ہو سکے۔ اِس کے علاوہ، سول سوسائٹی اگر افغان مہاجرین کی مدد کرتی ہے تو اُس صورت میں ریاستی حکام اُنہیں ہراساں کرنے کی بجائے اُن کی حوصلہ افزائی کریں۔ سب سے آخر میں، حکومت کو تمام مہاجرین کو بحالیِ نو کے منصوبے تک بلا رکاوٹ رسائی کو یقینی بنانے کے لیے فوری اقدامات کرنے ہوں گے۔ مہاجرین صحت کی نگہداشت، روزگار اور اُن کے بچوں کی تعلیم بھی اس منصوبے کا لازمی حصہ ہونی چاہیے۔

عالمی برادری کا حصہ ہونے کی حیثیت سے، پاکستان کی سول سوسائٹی افغانستان کے لوگوں کے بارے میں بجا طور پر فکرمند ہے اور سمجھتی ہے کہ انسانی حقوق کے معاملات کو اقتدارِ اعلیٰ کے تصورات پر فوقیت حاصل ہے۔ لہٰذا، ہم سرحد پر مہاجرین خاص طور پر عورت، بچوں، بیمار اور بزرگوں کے لیے کھڑی کی گئی رکاوٹوں اور اُنہیں سرحد پار کی اجازت دینے سے انکار کی مذمت کرتے ہیں کیونکہ وہ اس مشکل گھڑی میں ہماری مدد اور ہمدردی کے طلب گار ہیں۔

روزافزوں بڑھتی مہنگائی اور انتہاپسندی باعثِ تشویش ہے

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان نے کہا ہے کہ ملک میں انسانی حقوق کی مخدوش صورت حال تشویشناک صورت اختیار کرگئی ہے۔ ایسے حالات میں کہ جہاں لوگ آسمان سے باتیں کرتی مہنگائی اور مذہبی انتہاپسندی کے ظہور میں پھنسے ہوئے ہیں، اسٹیبلشمنٹ اور حکمران جماعت کا پارلیمان کو دیوار سے لگانا ملک کی جمہوریت کی بقا کے لیے خطرے کی علامت ہے۔ سیاسی انجینئرنگ کی لگاتار کوششیں اور لسانی اختلافات کا استحصال پاکستان کی کمزور جمہوریت کو کئی دہائیاں پیچھے دھکیل سکتی ہے۔ ایچ آر سی پی نے ایسی ترامیم کی بھی پرزور مخالفت کی ہے جن کا مقصد مقامی حکومتوں کے اختیار کو کم کرنا ہے۔

سیاسی حزبِ اختلاف کا فریضہ ہے کہ وہ مہنگائی کے بحران کا حل ڈھونڈیں۔ ایچ آر سی پی حکومت پر بھی زور دیتا ہے کہ وہ ترقی کے نیولبرل نمونوں پر نظرثانی کرے جو اس نے اختیار کر رکھے ہیں۔ یہ اقدامات نہ تو غریب پرور ہیں نہ ہی انسانی حقوق کے نقطۂ نظر سے بہتر ہیں۔ اگر ریاست اپنے شہریوں کو روٹی اور مکان فراہم نہیں کرسکتی تو اُن سے اُن کا کچھ بچا کھچا چھیننے کا حق بھی نہیں رکھتی۔

حکومت کا تحریکِ طالبان پاکستان کے ساتھ مذاکرات ایسا اقدام ہے جس کی ضمیر اجازت نہیں دے سکتا۔ انتہائی دائیں بازو کے شدت پسند گروپ جو اندازاً پاکستانی اموات کا ذمہ دار ہے، کے سامنے ریاست کا یوں گھٹنے ٹیکنا ترقی پسند، سیکولر قوتوں کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے۔

ایچ آر سی پی کو اس امر پر بھی تشویش ہے کہ حکومت تحریکِ لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) کے حامیوں کے تشدد کے دوران کم از کم سات پولیس اہلکاروں کی ہلاکت کے بعد بھی حکومت اپنی عملداری قائم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ٹی ایل پی کے ساتھ حکومتی مذاکرات سے دیگر کالعدم تنظیموں کو شہہ ملے گی جو عام انسانوں کو دستیاب تھوڑی بہت شہری آزادی پر قابض ہونے میں ذرہ بھر تامّل نہیں کریں گی۔

عورتوں، بچوں اور خواجہ سراء افراد کے خلاف بڑھتے تشدد کے تناظر میں، ایچ آر سی پی نے بچوں کے تحفظ کے اداروں، عورتوں کے دارالامانوں، اور صنفی تشدد کی روک تھام کی عدالتوں کو مضبوط کرنے اور خواتین پولیس افسران کو تمام ضروری وسائل سے لیس کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ایچ آر سی پی نے پاکستان میں افغان مہاجرین کی صورت حال پر بھی نظر رکھی ہوئی ہے اور حکومت سے پُرزور مطالبہ کیا ہے کہ وہ مہاجرین کے حوالے سے ایسی مربوط پالیسی نافذ کرے جو اُن کی سلامتی اور نقل وحرکت کی آزادی کے حق کی ضمانت دے۔

ایچ آر سی پی عدالتِ عظمیٰ کے فیصلے کو خوش آئند قرار دیتا ہے جس میں خیبر پختونخوا کے ضلع کرک میں ایک ہندو مندر پر حملہ کرنے والے شرپسندوں کو سزا سنائی گئی ہے۔ اس سے ایک اہم نظیر قائم ہوئی ہے اور یہ واضح پیغام ملنا چاہیے کہ ریاست مذہبی اقلیتوں کی جائے عبادات پر حملے برداشت نہیں کرے گی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ واحد اقدام مذہب یا عقیدے کی آزادی کو محفوظ کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہم، 2014 کے عدالتِ عظمیٰ کے تصدق جیلانی فیصلے کے اطلاق، اقلیتوں کے لیے ایک خودمختار قانونی قومی کمیشن کے قیام، مذہب کی جبری گمشدگیوں کے خلاف قانون سازی کرنے، اور مذہب کی تضحیک پر سینیٹ کی 2018 کی رپورٹ کی سفارشات پر نظرثانی کرنے کا مطالبہ دہراتے ہیں۔

اگرچہ ایچ آر سی پی جبری گمشدگیوں کے رجحان کے خلاف فوری قانون سازی کا حامی ہے، مگر اِسے فکر لاحق ہے کہ مسودہ قانون میں اُن ریاستی ایجنسیوں کے لیے خوف کا سبب بننے یا ان کے خلاف قانونی کارروائی کرنے یا ان کے محاسبے کا کوئی بندوبست موجود نہیں جو اس روش کو لوگوں پر دھونس دھمکی جمانے کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔

ہم پروٹیکشن آف جرنلسٹس اینڈ میڈیا پروفیشنلز ایکٹ کی منظوری کو خوش آئند قرار دیتے ہیں، مگر قواعد وضوابط جو ابھی جاری ہونا باقی ہیں، اظہار اور رائے کی آزادی کے حق پر اثرانداز نہیں ہونے چاہییں، نہ ہی ان قواعد کے اجراء میں تاخیر ہونی چاہیے۔ البتہ یہ انتہائی عجیب بات ہے کہ یہ قانون پروونیشن آف الیکٹرانک ایکٹ 2016 اور مجوزہ، خوفناک، پاکستان میڈیا ڈیولپمنٹ اتھارٹی آرڈیننس سے غیر ہم آہنگ ہے۔

ایچ آر سی پی نے موجودہ فضا میں انتہائی مناسب اقدام اٹھاتے ہوئے 2021 میں دلیرانہ صحافت کے لیے نثار عثمانی ایوارڈ 2021 کے لیے پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (پی ایف یو جے) کا چناؤ کیا ہے جو جابر نظام کی

مسلط کردہ سنسرشپ کی مزاحمت کے لیے ایک ناگزیر قوت ثابت ہوئی ہے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔12 نومبر 2021]

لاہور کے ’نظرانداز شدہ شہری‘: پکھی واس برادری کی سی این آئی سی تک رسائی

آج منعقد ہونے والی ایک پالیسی مشاورت میں، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) نے ایک تحقیق کے کلیدی نتائج پیش کیے جس میں لاہور اور گردونواح میں مقیم موسمی مزدوروں جن میں سے بیشتر خانہ بدوش یا پکھی واس برادری سے ہیں، کو شہریت کے حوالے سے درپیش مشکلات کا جائزہ لیا گیا تھا۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ پکھی واس برادری کی بہت بڑی تعداد کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈز (سی این آئی سیز) کے فوائد سے لاعلم تھی۔ وہ اس حقیقت سے بھی بے خبر تھے کہ شہریتی دستاویزات کی بدولت وہ صحت عامہ کی سہولیات اور سماجی تحفظ کے منصوبوں جیسے کہ بینظیر انکم اسپورٹ پروگرام سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ دیگر سفارشات پیش کرنے کے علاوہ، ایچ آر سی پی نے پکھی واس برادری کو سی این آئی سی کے لیے درخواست دینے کی ترغیب دینے کے لیے برادری کی سطح پر ایڈووکیسی اور ملکی مردم شماری میں خانہ بدوش برادری کی شمولیت کے لیے ہنگامی یونٹ کے قیام اور یوں جمع شدہ کوائف وزارت انسانی حقوق کو بھیجنے کی اہمیت اجاگر کی تاکہ اس برادری کو شہریتی عمل کا حصہ بنایا جاسکے۔

صوبائی وزیر سماجی بہبود یاور عباس بخاری نے مشاورت کے شرکاء کو یقین دلایا کہ پکھی واس برادری جیسے پسماندہ طبقوں کے اندراج کو آسان کرنے کے لیے کیمپ لگائے گئے تھے اور ایسی برادریوں کو سماجی تحفظ کے منصوبوں اور شہریتی دستاویزات تک رسائی دینے کا عہد کیا۔ رکن صوبائی اسمبلی عائشہ اقبال نے کہا کہ بینظیر انکم اسپورٹ پروگرام میں عورتوں کی شمولیت بڑھانے کے لیے تحفظ نسواں اتھارٹی اور محکمہ ترقی نسواں کو شہریت کی ایڈووکیسی مہموں کا حصہ بنایا جائے۔

ڈائریکٹر جنرل بینظیر انکم اسپورٹ پروگرام پنجاب ظفر کمال نے کہا کہ شہریوں کے اندراج کو سماجی تحفظ تک رسائی سے منسلک کرنے کے لیے موجودہ حکمت عملی پر عملدرآمد بھی ضروری ہے۔

پارلیمانی سیکرٹری برائے انسانی حقوق، مہندر پال سنگھ نے سفارش پیش کی کہ نادرا پکھی واس گھرانوں کے اندراج کے لیے ایسا نظام متعارف کروائے جس میں دو ضامنوں کی ضرورت نہ پڑے کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جسے پورا کرنا کئی گھرانوں کے لیے ممکن نہیں۔ متعدی امراض کی روک تھام و کنٹرول پروگرام کے ڈائریکٹر ڈاکٹر شاہد مگسی نے کہا کہ صوبائی محکمہ صحت نے کبھی بھی ایسے شہریوں کو ویکسینیشن دینے سے انکار نہیں کیا جس کے پاس شناختی کارڈ نہیں تھے۔ انہوں نے کہا کہ، البتہ، کووِڈ 19 ویکسینیشن وفاقی معاملہ تھا، اور اس کے لیے سی این آئی سی درکار تھا۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔10 نومبر 2021]

بلوچستان کی کوئلے کی کانوں کے محنت کشوں کو نظرانداز کرنے کا سلسلہ ترک کرنا ہوگا

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن کو یہ جان کر شدید تکلیف ہے کہ کوئلے کی کانوں کے کان کُن انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ پاکستان سنٹرل لیبر فیڈریشن کے مطابق، 2021 میں کانوں میں پیش آنے والے حادثات میں 176 کان کُن ہلاک جبکہ 180 زخمی ہوئے۔ اِس کے علاوہ، بلوچستان میں کان کُنوں کو غیر ریاستی عناصر کے اہدافی حملوں کا سامنا بھی رہتا ہے۔

ٹیم نے جن کانوں کا دورہ کیا وہاں سے ملنے والے حقائق سے معلوم ہوا کہ وہاں پر صحت کی سہولیات معمول کے بندوبست کی بجائے بہت کم نظر آئیں۔ اِس حقیقت کے پیشِ نظر کہ کوئلے کی کانوں کے شعبہ کو عالمی سطح پر ایک پُرخطر شعبے کا درجہ حاصل ہے، کانوں کے مالکان اور ٹھیکیداروں کو ہر ایک کان میں فعال ایمبولینس اور ہنگامی بنیادوں سے نبٹنے کے لیے صحت کے کارکنان کی دستیابی اور حفاظتی انتظامات کے اندرونی معائنوں کی باقاعدگی کو یقینی بنانا ہوگا۔ جہاں تک حفاظتی انتظامات پر نظر رکھنے کے لیے بیرونی معائنوں کا تعلق ہے تو یہ حقیقت بھی باعثِ تشویش ہے کہ صوبے میں چھ ہزار سے زائد کانوں کے معائنے کے لیے صرف 27 انسپکٹرز دستیاب ہیں۔

مشن کے عمومی نتائج سے معلوم ہوا ہے کہ کان کُنوں کی اکثریت ای او بی آئی یا سماجی تحفظ کے دیگر منصوبوں کے لیے رجسٹرڈ نہیں ہیں، اور اُن کی رجسٹریشن کی ذمہ داری اُن کے آجروں پر عائد ہوتی ہے۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ وہ ملازمت کے فوائد یا پنشن کے مستحق نہیں جس کی بدولت وہ اُس وقت انتہائی غیر محفوظ حالت میں ہوں گے جب اُن میں کام کرنے کی سکت باقی نہیں رہے گی۔ یہ تحفظات بھی ہیں کہ بلوچستان میں ہلاکت اور ضرر کا معاوضہ کم ہے۔ بلوچستان میں یہ معاوضہ تین لاکھ روپے ہے جبکہ دیگر صوبوں میں پانچ لاکھ روپے ہے۔

لیبر یونینوں کے کئی نمائندگان کا کہنا تھا کہ وہ کوئلے کی کانوں میں ٹھیکیداری نظام سے شدید ناخوش ہیں کیونکہ انہیں اپنے مزدوروں کی حفاظت وسلامتی کو یقینی بنانے میں بہت کم دلچسپی ہوتی ہے۔ اس کے بجائے وہ لاگت کی بچت میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ یہ امر بھی پریشانی کا سبب ہے کہ کئی کانوں میں ٹھیکیدار خود لیبر یونین کے نمائندگان کے طور پر کام کر رہے ہوتے ہیں جس سے مفادات میں ممکنہ تصادم کی صورت حال کی عکاسی ہوتی ہے۔

ایچ آر سی پی نے یہ سفارش بھی کی ہے کہ کوئلے کی کانوں کے شعبہ کو صنعت کا درجہ دیا جائے اور مالکان اور ٹھیکیداروں کو اپنی کانیں مائنز ایکٹ 1923 اور بعدازاں ہونے والی ترامیم کی مطابقت میں چلانے کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ حکومت کو جتنی جلدی ممکن ہو سکے حفاظت وصحت پر آئی ایل او کنونشن 176 کی توثیق و اطلاق بھی کرنا ہوگا۔ ہم ریاست سے یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ وہ خاص طور پر کوئلے کی کانوں والے علاقوں اور عام طور پر پورے صوبے میں صحت، تعلیم اور ڈھانچے کی تعمیر پر وسائل صرف کرے۔

جتنی جلدی ممکن ہوا مشن کی تفصیلی رپورٹ بھی جاری کی جائے گی۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔19 نومبر 2021]

ایچ آرسی پی کے سیکرٹری جنرل کی رپورٹ: 10 نومبر 2020 سے 10 نومبر 2021 تک

ایچ آر ڈیز، اراکین، صحافیوں، کارکنان وغیرہ کو متحرک کرنے اور صلاحیتوں میں بہتری لانے کی کاوشیں

چونکہ یہ دورانیہ کووڈ 19 کی لپیٹ میں رہا ہے، لہٰذا اِس دوران زیادہ تر تقاریب آن لائن منعقد ہوئیں یا پھر ملے جلے طریقہ کار سے (آن لائن اور بالمشافہ دونوں طریقوں سے)۔ تاہم، وباء کی پہلی، دوسری اور تیسری لہر کے دوران ہم کچھ بالمشافہ تقاریب منعقد کرنے میں بھی کامیاب رہے ہیں۔

☆ **13 تربیتی ورکشاپس:** (i) سماجی شہریت اور آئینی حقوق (7 پشاور اور ملتان میں)؛ (ii) ایڈووکیسی اور انسانی حقوق کے دفاع کاروں کی سلامتی (4 ملتان، اسلام آباد، کوئٹہ اور لاہور میں)؛ (iii) قانونی امداد کی فراہمی کے حوالے سے کمیونٹی سہولت کاروں کی تربیت (ایک اسلام آباد میں)؛ اور (iv) خواتین قانون سازوں کی کارکردگی میں بہتری (ایک اسلام آباد میں)

☆ **کارکنان کو متحرک کرنے کے لیے 105 اجلاس:** (آن لائن اور بالشافہ) مقامی سطح پر انسانی حقوق کے معاملات پر انسانی حقوق کے دفاع کاروں کے ساتھ۔ (لاہور، اسلام آباد، ملتان، پشاور، کوئٹہ، حیدر آباد، کراچی میں)

☆ **اراکین کے ماہانہ اجلاس:** ملک بھر میں ایچ آرسی پی کے دفاتر میں۔

فیکٹ فائنڈنگ اور مشاورتیں

☆ **16 فیکٹ فائنڈنگ مشن** (14 واقعات کے ردِعمل میں اور 2 پہلے سے منصوبہ بندی کے ساتھ)

☆ **2 مشاہداتی مشن:** ان کا اہتمام شعبہ طب کے طالبعلموں کے مظاہرے اور ماحولیاتی انصاف کے مارچ کے دوران پرامن اجتماع کی آزادی کا مشاہدہ کرنے کے لیے کیا گیا۔

☆ **3 تحقیقی مشقیں (Base Line-Study):** پنجاب، سندھ اور خیبر پختونخوا میں خانہ بدوش مزدوروں کی شہریتی دستاویزات تک رسائی اور سماجی تحفظ کی صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے۔

☆ **5 پالیسی مشاورتیں:** (i) کووڈ 19 کے دوران جنس کی بنیاد پر تشدد کے رجحانات (آن لائن) اور (ii) خواتین قانون سازوں کی کارکردگی میں بہتری (لاہور، کوئٹہ، کراچی اور پشاور میں)۔

☆ **3 مشاورتیں: لاہور، کراچی اور پشاور میں:** پنجاب، سندھ، اور خیبر پختونخوا میں خانہ بدوش مزدوروں کی شہریتی دستاویزات تک رسائی اور سماجی تحفظ کی صورتحال جانچنے کے لیے تحقیقی مشقیں کی گئیں اور پھر ان کے نتائج پیش کرنے کے لیے لاہور، کراچی اور پشاور میں مشاورتی تقاریب کا اہتمام کیا گیا۔ ان مشاورتوں کے نتیجے میں، کے پی اور سندھ اسمبلیوں کے ڈپٹی اسپیکرز نے شہریتی ایکٹ پر نظرِثانی کرنے اور خانہ بدوش مزدوروں کو شہریتی دستاویزات تک باآسانی رسائی دینے کے لیے ورکنگ گروپ تشکیل دیے اور اس حوالے سے قومی اسمبلی میں قرارداد پیش کی۔

☆ **2 انتخابات کا مشاہدہ:** گلگت بلتستان اور آزاد جموں و کشمیر میں۔ انتخابی مشاہدے کے بعد ذرائع ابلاغ کو بیانات جاری کیے گئے۔

مطبوعات، تحقیق، ایڈووکیسی اور ذرائع ابلاغ کو دیے گئے بیانات

☆ **16 مطبوعات کا اجرا ہوا**

☆ 2020 میں انسانی حقوق کی صورت حال

☆ لاہور اور ملتان کی جیلوں میں کووڈ 19 کے دوران قیدیوں کو صحت کی سہولیات کی فراہمی پر ایک رپورٹ اور ایک مختصر پالیسی دستاویز۔

☆ 2018 سے 2020 کے دوران خواتین قانون سازوں کی کارکردگی پر ایک رپورٹ اور ایک مختصر پالیسی دستاویز۔

☆ کووڈ 19 وباء کے دوران صنف کی بنیاد پر تشدد کے واقعات کے متعلق ایک رپورٹ اور ایک مختصر پالیسی دستاویز (ڈونر کی منظوری سے)

☆ جنس کی بنیاد پر تشدد کے متاثرین کے لیے حفاظتی خدمات اور قانونی امداد کا قومی کتابچہ (ڈونر کی منظوری سے)۔

☆ جوابدہی کے حوالے سے پسماندہ شہریوں اور ریاست کے مابین تعلق پر انسٹی ٹیوٹ آف ڈیویلپمنٹ اسٹڈیز کے ساتھ مل کر ایک ورکنگ پیپر اور ایک کانفرنس پیپر۔

☆ کراچی میں شہرکاری کے سیلاب کا مسئلہ، چترال میں انسانی حقوق کی صورت حال، اور راوی ریورفرنٹ اربن ڈیویلپمنٹ پراجیکٹ کے انسانی حقوق اور ماحول پر اثرات کے مسئلے پر تین فیکٹ فائنڈنگ رپورٹس

☆ انسانی حقوق کے دفاع کار راشد رحمان کی سوانح حیات

☆ آئی ایل او کنونشن 100 اور 111 کے تحت پاکستان کے فرائض پر ایک کتابچہ

☆ سنسرشپ اور صحافیوں کی سلامتی پر ایک مختصر پالیسی دستاویز۔

☆ **جہدِ حق کے 13 شمارے** (نومبر 2020 سے نومبر 2021 تک) شائع کیے گئے اور پاکستان بھر میں انسانی حقوق کے 2,000 سے زائد دفاع کاروں میں تقسیم کیے گئے

☆ **2 دستاویزی فلمیں:** ایک میں ایچ آرسی پی کا کام، نصب العین اور مقصد دکھایا گیا اور دوسری میں پاکستان میں اظہار اور رائے کی آزادی کی صورتحال دکھائی گئی۔

☆ ایک خودمختار انتخابی کمیٹی کی سفارش پر دوسری آئی اے **رحمان ریسرچ گرانٹ** (2021 کے لیے) کا اعلان اور اجراء کیا گیا۔

☆ فروری 2021 میں دوسرا **عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر** منعقد ہوا: سینیٹر رضا ربانی نے انجمن سازی کی آزادی اور طلباء سیاست کی اہمیت پر اظہارِ خیال کیا۔

☆ ایچ آرسی پی نے پرامن اجتماع کی آزادی کے حق پر نظر رکھنے کے لیے کوائف جمع کرنے کا نظام وضع کیا ہے، جس کی بنیاد پر کمیشن صوبائی حکومت کو ایک کھلا خط لکھے گا جس میں اس حق کی خلاف ورزیوں پر تشویش کا اظہار کیا جائے گا۔

☆ ایچ آرسی پی نے صنف کی بنیاد پر تشدد کی اطلاعات کی نگرانی کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے (ستمبر 2020 میں شروع ہونے والے ڈیٹا بیس کو جاری رکھ کر)

☆ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں پر کووڈ 19 کے اثرات پر **ایک تحقیقی مشق** کا اہتمام کیا گیا (برطانوی ہائی کمیشن کے داخلی استعمال کے لیے)۔

☆ **3 تحقیقی مشقیں مکمل ہوئیں:** جدید غلامی کے تناظر

میں عورتوں اور لڑکیوں کی اسمگلنگ، پرامن اجتماع کی آزادی کے حق پر قانونی وقواعد وضوابط سے متعلقہ پابندیاں، اور قانون سازی کا طریقہ اور مباحث جو پاکستان الیکٹرانک کرائمز ایکٹ 2016 کی منظوری کا سبب بنے۔ تینوں رپورٹس تیار کی جارہی ہیں اور نومبر/دسمبر 2021 میں جاری ہوں گی۔

☆ **2 ایڈووکیسی مہمیں** چلائی گئیں جن میں پاکستان سے ایذا رسانی کو جرم قرار دینے اور ایذا رسانی کے خلاف کنونشن کے تحت ذمہ داریوں کی انجام دہی کا مطالبہ کیا گیا (احتجاجی مظاہرے اور آن لائن مشاورت)، اور سزائے موت کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا (چیپٹر دفاتر میں اجلاس اور آن لائن مشاورت)

☆ **11 پریس کانفرنسیں** منعقد ہوئیں: پنجاب (لاہور، ملتان)، سندھ (کراچی، حیدرآباد)، بلوچستان (کوئٹہ)، خیبر پختونخوا (پشاور)، گلگت بلتستان (گلگت) اور مجموعی طور پر پاکستان (اسلام آباد) میں انسانی حقوق کی صورت حال پر؛ سابق فاٹا میں عورتوں پر تشدد پر (پشاور میں)؛ سنسرشپ اور صحافیوں کی سلامتی پر (اسلام آباد میں)؛ اور شیعہ برادری پر مظالم پر (کراچی میں)۔

☆ **14 فوکس گروپ مباحث**: (i) سنسرشپ، صحافیوں کی سلامتی اور کام کے حالات، اور ذرائع ابلاغ میں عورتوں کی صورت حال (6 مباحث)؛ (ii) کوویڈ 19 بحران کے تناظر میں پسماندہ مزدور طبقوں کو درپیش مشکلات (5 مباحث)؛ اور (iii) سماجی تحریکیں (3 مباحث)

☆ **3 اجلاس**: خانہ بدوش مزدوروں کو شہریتی دستاویزات تک رسائی دینے کے لیے لاہور، کراچی اور پشاور میں پالیسی سازوں کے ساتھ۔

☆ **4 اجلاس**: ذرائع ابلاغ کو خواتین قانون سازوں کی کارکردگی پر بہتر رپورٹنگ پر قائل کرنے کے لیے (لاہور، کوئٹہ، کراچی اور پشاور میں)

☆ **ایک گول میز کانفرنس**: ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ – پاکستان کے تعاون سے پاکستان میں افغان پناہ گزینوں کی صورت حال پر۔

☆ **ایک فوٹو-مضمون مقابلہ**: اس کا اہتمام پرامن اجتماع کی آزادی (ملک بھر میں) کو رقم کرنے کے لیے کیا گیا۔ مقابلہ مارچ 2022 میں اختتام پذیر ہوگا جس کے بعد ایک نمائش کا اہتمام کیا جائے گا۔

☆ **مہمات کے حوالے سے 8 تقاریب**: انسانی حقوق اور حفاظتوں سے متعلقہ عالمی ایام منانے کے لیے۔

☆ **33 میڈیا بیانات**: پرنٹ وسوشل میڈیا پر جاری کیے گئے۔

☆ **138 آراء**: ان آراء کا اظہار سوشل میڈیا اکاؤنٹس کے ذریعے کیا گیا۔ ٹویٹر پر 39,500 فالوورز اور فیس بک پر 33,680 فالوورز تک پہنچیں۔

ایچ آر سی پی کے میڈیا بیانات، انٹرویز، اور ٹوئیٹس کی تشہیر درج ذیل براڈکاسٹ و ڈیجیٹل میڈیا کے ذریعے ہوئی:

☆ *انگریزی پرنٹ میڈیا: ڈان، دی نیوز انٹرنیشنل، ڈیلی ٹائمز، ایکسپریس ٹریبیون، پاکستان ٹوڈے، دی نیشن، وغیرہ۔*

☆ *اردو پرنٹ میڈیا: جنگ، ایکسپریس، مشرق، خبریں۔*

☆ *سندھی پرنٹ میڈیا: پنھنجی اخبار، کاوش، عوامی آواز، ڈیلی سندھ۔*

☆ *براڈکاسٹ/ڈیجیٹل میڈیا (قومی): نیا دور، جیو نیوز، وائس پی کے، انڈس نیوز۔*

☆ *عالمی میڈیا: ایسوسی ایٹڈ پریس، ایجنسی فرانس پریس، وی او اے اردو، وی او اے انگریزی، وی او اے پشتو، بی بی سی انگریزی، بی بی سی اردو، ڈی ڈبلیو، دی گارڈین، ریڈیو فرانس یورپ، الجزیرہ، واشنگٹن پوسٹ، وال سٹریٹ جرنل۔*

مرکز شکایات

☆ ایچ آر سی پی کے مرکز شکایات نے 1,464 درخواستیں موصول کرکے ان پر ضروری کارروائی کی۔

نئے اور پہلے سے جاری پراجیکٹس

	نئے پراجیکٹس	پارٹنر/ڈونر
1	سیاسی بحران اور کوویڈ 19 کے پھیلاؤ کے دوران پاکستان میں پرامن اجتماع کے حق کا فروغ وتحفظ	یورپی کمیشن (ایف آئی ڈی ایچ کی شراکت سے)
2	پاکستان میں مؤثر جمہوری نظم ونسق کے لیے عورتوں کی سیاسی شمولیت وقیادت کا استحکام	فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم
3	پہلے سے جاری پراجیکٹس	پارٹنر/ڈونر
4	انسانی حقوق اور جمہوری اقدار کی نگرانی، تحفظ واستحکام کے لیے سازگار ماحول کا قیام	مملکتِ نیدر لینڈ ایمبیسی آواز واہمیت:
5	سب سے پہلے پسماندہ: پاکستان میں انسانی حقوق کے ایجنڈے کا فروغ	رائل نارویجن ایمبیسی
6	خانہ بدوش مزدوروں کی شہریتی دستاویزات تک رسائی	فاؤنڈیشن اوپن سوسائٹی انسٹی ٹیوٹ
7	سماجی شہریت اور انسانی حقوق کے درمیان	فاؤنڈیشن اوپن سوسائٹی انسٹی ٹیوٹ
8	پاکستان میں پسماندہ اور درماندہ حال طبقوں کے انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے قومی سطح پر قانونی امداد کے مثالی نمونے کی تشکیل	فاؤنڈیشن اوپن سوسائٹی انسٹی ٹیوٹ

پراجیکٹس جن کے حصول کے لیے کام جاری ہے

	نئے پراجیکٹس	پارٹنر/ڈونر
1	کوویڈ 19 کے دوران انتہائی پسماندہ طبقوں کے حقوق کا تحفظ	یورپی کمیشن
2	تنظیمی گرانٹ	فاؤنڈیشن اوپن سوسائٹی انسٹی ٹیوٹ
3	انسانی عظمت کی بحالی: حراستی ایذا رسانی کی روک تھام	جرمن مشن، پاکستان

پراجیکٹس جو اختتام پذیر ہو چکے ہیں

	نئے پراجیکٹس	پارٹنر/ڈونر
1	پاکستان میں صنف کی بنیاد پر تشدد کی روک تھام	یونائٹڈ نیشنز پاپولیشن فنڈ
2	مقامی حکومت کی سطح پر عوامی سہولیات کی فراہمی کے نظام میں بہتری	فریڈرک نومان فاؤنڈیشن
3	جی ایس پی پلس ممالک اور کرغزستان میں انسانی حقوق کے بنیادی معاہدات کی نگرانی اور مؤثر اطلاق میں بہتری	یورپی یونین (ایکوئل رائٹس ٹرسٹ کی شراکت سے)
4	کوویڈ 19 اور مذہب یا عقیدے کی آزادی	فارن، کامن ویلتھ اینڈ ڈیولپمنٹ آفس
	خودمختاری وجوابدہی کی کارروائی پر تحقیق	یوکے ڈیپارٹمنٹ فار انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ (انسٹی ٹیوٹ آف ڈیولپمنٹ اسٹڈیز کی شراکت سے)
	پاکستان میں انسانی حقوق کا حصول	فاؤنڈیشن اوپن سوسائٹی انسٹی ٹیوٹ

تنظیمی ڈھانچے اور عملی سرگرمیوں کا استحکام

ادارہ جاتی استحکام

☆ این جی اوز کے متعلق حکومت کی 2013 کی پالیسی کی رُو سے، معاشی امور ڈویژن کے ساتھ ایک مفاہمتی یادداشت پر دستخط ہونا ابھی باقی ہیں۔ اپنی ابتدائی درخواست رد ہونے کے بعد، ایچ آر سی پی محکمہ جاتی اپیل دائر کی تھی۔ معاملہ زیر غور ہے۔

☆ ایچ آر سی پی نے اس عرصہ کے دوران درج ذیل پالیسیاں اور ضوابط تیار کیے ہیں اور ان کے لیے کونسل کی منظوری کی ضرورت ہے: (i) اخراجات کی تخصیص اور علیحدگی، (ii) ریکارڈ برقرار رکھنا، (iii) رشوت اور دھوکہ دہی کے خلاف پالیسی، (iv) ایچ آر سی پی کے رہائشی مقامات اور آڈیٹوریم کا انتظام، (vi) فریق ثالث کے ساتھ طے پانے والے معاملات کی قبل از آڈٹ چھان بین، (vii) معاوضہ جات کا بندوبست، (viii) اراضی اور عمارات کا از سرنو جائزہ، (ix) رکنیت فیس کی وصولی کا نظام، (x) اشیاء و خدمات کا حصول (procurement)، اور (xi) اکاؤنٹنگ کا نظام۔

انسانی وسائل (Human Resource) کا انتظام وانصرام

☆ ایچ آر سی پی نے اپنے عملے کے لیے 4 تربیتی ورکشاپس منعقد کیں: مرکز شکایات کے عملے کے لیے بہتر اصول وضوابط پر (آن لائن)، حکمت عملی کی منصوبہ بندی کے آلات (اسلام آباد)، جائے ملازمت پر کشیدگی پر قابو کیسے پایا جائے (اسلام آباد)، اور سماجی شہریت اور آئینی حقوق پر (اسلام آباد)۔

☆ ایچ آر سی پی اپنے عملے میں صنفی توازن میں بہتری لایا ہے۔ اب عملے کا 26 فیصد عورتوں پر مشتمل ہے۔ (کل 74 ملازمین میں سے 19 عورتیں ہیں بشمول پروگرام مینجمنٹ میں 6 عورتیں، اور سینیئر مینجمنٹ کمیٹی کے کل 5 اراکین میں سے 3 عورتیں ہیں۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی

☆ ایچ آر سی پی اپنے عملے کے ای میل اکاؤنٹس کو مزید بہتر اور منظم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور ہیومن رائٹس مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم جو 2020/2019 میں تیار ہوا تھا، کو اور زیادہ بہتر کر رہا ہے۔

☆ ریفرنس اور آرکائیو کے شعبوں کو ڈیجیٹل شکل دے دی ہے، کوائف اکٹھا کرنے کے ضوابط واصول بہتر کیے ہیں اور تمام ڈیٹا آرکائیوز کو آن لائن کر دیا ہے۔ اس وقت سسٹم کی بہتری پر کام جاری ہے اور 2021 کے اختتام تک یہ بیرونی صارفین کی دسترس میں ہوگا۔

☆ ایک نئی ویب سائٹ ڈیزائن کی گئی، اور جانچ پرکھ کے مرحلے سے گزرنے کے بعد زیر استعمال ہے: www.hrcp-web.org۔ تمام پچھلی مطبوعات، دیگر مواد اور ذرائع ابلاغ کو جاری ہونے والے بیانات نئی ویب سائٹ پر منتقل کیے جا رہے ہیں۔

منصوبہ بندی، نگرانی اور جانچ پرکھ

☆ مالیاتی انتظام وانصرام ہر پراجیکٹ کی انفرادی شرائط وضوابط کے عین مطابق ہے۔ اس میں استعمال شدہ فنڈز کے تجزیے کے لیے سلسلہ وار رپورٹس بھی شامل ہیں۔ ہم کاسٹڈ ورک پلانز (costed work plans) کو ایک منصوبے کی شکل میں لانے اور مالیاتی امور پر نظر رکھنے کے لیے درکار آلات تیار کرنے کی کوشش میں ہیں۔

☆ جنوری 2020 میں ایچ آر سی پی نے نگرانی و جانچ پرکھ کا نظام قائم کیا جو نگرانی اور جانچ پرکھ کے سالانہ منصوبے پر عملدرآمد کو یقینی بناتا ہے اور پراجیکٹ کے جائزے کے ماہانہ اجلاسوں کی بنیاد پر پراجیکٹ کی نگرانی کی سہ ماہی رپورٹس تیار کرتا ہے۔

اشیاء وخدمات کا حصول (Procurement)

☆ تنظیم کے اثاثہ جات پر مؤثر کنٹرول کو یقینی بنانے کے لیے اشیاء کی وصولی وارسال کی تحریری رسیدوں کا مؤثر نظام وضع کیا گیا ہے۔

☆ ایچ آر سی پی کی نئی انتظامی و ہیومن ریسورس پالیسیوں وضوابط میں پروکیورمنٹ کی جامع پالیسیاں بھی شامل ہیں۔ یہ پالیسیاں اشیاء اور خدمات دونوں شعبوں کا احاطہ کرتی ہیں۔ اشیاء وخدمات کے حصول کے تمام معاملات ان پالیسیوں کی مطابقت میں ہوتیں ہیں۔

☆ ایچ آر سی پی نے پروکیورمنٹ کمیٹی کی منظوری سے ترجیحی سپلائرز کی ایک فہرست تیار کی ہے۔ یہ فہرست تیار کرتے وقت واحد سپلائر، معیار، بروقت سروس اور مالی وسائل کی بچت کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔

مالیاتی امور کا بندوبست

☆ خزانچی کو باقاعدگی کے ساتھ ماہانہ مالیاتی رپورٹ پیش کی جاتی ہے۔ اِس میں ایچ آر سی پی کے اپنے اخراجات سمیت تمام پراجیکٹس کی تفصیلات ہوتی ہیں۔

☆ ایک بیرونی کنسلٹنٹ کے ذریعے ایچ آر سی پی کے مقررا اثاثہ جات (fixed assets) کا رجسٹر اپ ڈیٹ کیا گیا ہے جو اس وقت شعبہ فنانس کی نظر ثانی سے گزر رہا ہے۔

☆ تمام بینک مصالحتی بیانات پر بیان تیار کرنے اور اس پر نظر ثانی کرنے والے کے دستخط ہوتے ہیں۔

☆ ہر ایک پراجیکٹ کے تحت رسیدیں پہلے سے الگ الگ رکھی جاتی ہیں اور ادائیگی کی منظوری کے فارم پر انہیں ایک پراجیکٹ کوڈ تفویض کیا جاتا ہے۔ ایسی تمام رسیدوں پر 'ادا شدہ' مہر لگتی ہے جن کی ادائیگی ہو چکی ہوتی ہے۔

☆ معمول کے تمام مالیاتی معاملات کو اکاؤنٹنگ کے عالمی معیارات اور ایچ آر سی پی کی مالیاتی پالیسیوں اور ضوابط کی مطابقت میں ریکارڈ کیا جاتا ہے، اُن پر نظر ثانی ہوتی اور اُن کی منظوری ہوتی۔

اندرونی آڈٹ

☆ جنوری 2021 میں ایک اندرونی آڈیٹر کی تعیناتی کی گئی۔

☆ فنانس و آڈٹ کمیٹی (سابقہ فنانس کمیٹی) کو دوبارہ تشکیل دیا گیا۔

☆ اندرونی آڈٹ وفنانس اور آڈٹ کمیٹیوں کے منشور تیار کیے گئے اور اُن چیئرپرسن اور خزانچی کے دستخط ثبت ہوئے

☆ اندرونی آڈیٹر نے سسٹم پر نظر ثانی کی اور سسٹم میں موجود خامیوں پر قابو پانے کے لیے ایک لائحہ عمل تیار کیا ہے۔ اندرونی آڈیٹر متفقہ لائحہ عمل بشمول 15 نئی پالیسیوں اور ضوابط کی تیاری، کے اطلاق کو یقینی بنانے میں مدد کر رہے ہیں۔

☆ یکم جنوری سے 30 جون 2021 کے عرصہ کے لیے ایچ آر سی پی کا پہلا اندرونی آڈٹ ہوا، اور نومبر 2021 کے پہلے ہفتہ میں تکمیل پذیر ہوا ہے۔

حکمت عملی کی منصوبہ بندی

☆ ایچ آر سی پی نے اگلے تین برسوں کے لیے حکمت عملی کی منصوبہ بندی کی دستاویز تیار کی ہے جس میں درج ذیل موضوعات کی نشاندہی کی گئی ہے: آئینی جمہوریت اور وفاق کا دفاع کرنا اور اظہار، انتخابی اصلاحات کا فروغ، عورتوں، بچوں اور اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کا مقابلہ؛ قانون کی حکمرانی اور نظامِ انصاف میں اصلاحات کی جدوجہد، ماحولیاتی انصاف کی جدوجہد میں شمولیت، مزدوروں کے حقوق کا دفاع؛ اور سول سوسائٹی سے چھینے جانے والے مقام کی واگزاری۔ یہ معاملات ایچ آر سی پی کی روایتی ترجیحات کی عکاسی کرتے ہیں اور پاکستان اور دیگر ممالک میں انسانی حقوق کی تحریک میں ہونے والی تبدیلیوں کے پیشِ نظر کچھ نئے موضوعات بھی ان شامل کیے گئے ہیں (مسودہ منظوری کے لیے کونسل کو بھیج دیا گیا ہے)

وسائل کے حصول کے لیے تگ ودو

☆ ہم اضافی وسائل کے حصول کے لیے تگ ودو کر رہے ہیں اور عالمی وفاق برائے انسانی حقوق (ایف آئی ڈی ایچ) کی شراکت داری میں فنڈز حاصل کیے ہیں (جنوری 2021 سے)

☆ ایک تین سالہ پراجیکٹ کے لیے یورپی کمیشن کے ساتھ ہماری بات چیت آخری مراحل میں ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ نومبر کے اختتام تک اس کی منظوری ہو جائے گی۔

☆ ہم اوپن سوسائٹی فاؤنڈیشن کے ساتھ دو سالہ تنظیمی گرانٹ پر بات چیت کر رہے ہیں۔ اس گرانٹ سے ہمیں اپنی بنیادی سرگرمیوں (core activities) کی انجام دہی میں مدد ملے گی۔ ہمیں نومبر کے آخر تک یہ گرانٹ ملنے کی توقع ہے۔

☆ ہم حراست کے دوران ایذا رسانی پر چھ سے 12 ماہ کے دورانیے کے پراجیکٹ کے لیے جرمن مشن، پاکستان کے ساتھ اسٹریٹیجک شراکت داری پر بات چیت کر رہے ہیں۔ یہ پراجیکٹ 2022 میں شروع ہوگا۔

☆ ہم مملکتِ نیدرلینڈ کے سفارت خانے کے ساتھ ایک تین سالہ پراجیکٹ پر کام کرنے کے لیے تصوراتی بیان (concept note) اور تجویز (proposal) تیار کر رہے ہیں۔ یہ پراجیکٹ مارچ 2022 میں شروع ہونے کی توقع ہے۔

افکار کا خزانہ

حارث خلیق

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا نے بالآخر ہمارے نقشِ قدم پہ چلنا شروع کر دیا ہے۔ جیسا کہ پاکستان کے ساتھ کئی عشروں سے ایک تواتر کے ساتھ ہو رہا ہے — چند وقفوں کے ساتھ جو صرف سوچنے کی حد تک ہیں — دنیا کے بیشتر ملک بڑی تیزی کے ساتھ افکار کی حصار بندی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ اس رجحان کو صرف ان حکومتوں و ریاستوں کے پاسبان ہی فروغ نہیں دے رہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی ان معاشروں کے خودفریبی اور قدامت پسندی میں مبتلا دانشور بھی کر رہے ہیں۔

لوگوں کو ایسے حقائق اور آزادانہ فکر سے دور رہنے کی ترغیب دی جاتی ہے جو انہیں خاص طور پر چنے گئے سیاسی و مذہبی عوامیت پسندی کی پیدا کردہ دنیا سے باہر نکلنے پر اُکسا سکتی ہو۔ ذرائع ابلاغ اور علمی آزادیوں پر حالیہ حملہ جس کے پیچھے تجارتی مشکلات اور سیاسی جبر کا ہاتھ ہے، کی بدولت حصار بندی، خوف، انکار اور اپنی ذات میں گھسنے کا عمل اور تیز ہوگا۔

جمہوریت اور تنوع واضح شکست کا سامنا کر رہے ہیں۔ البتہ، اچھے طریقے سے ارتقاء پذیر کچھ سیاسی نظاموں والے ممالک میں ابھی بھی واپس پلٹنے کی صلاحیت ہے۔ ہمارا مقدمہ مختلف ہو سکتا ہے جہاں افکار کی دنیا اور سیاست کے میدانوں میں طویل، مشکل جنگیں لڑنا ابھی باقی ہیں۔ ان حالات میں، جو کرنے کی چیز ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے بہترین دماغوں سے معلومات، علم، افکار اور آراء کے خزانے حاصل کریں تاکہ آج کے دور میں غالب تاریخ کے بیانیے اور سیاست کا مقابلہ کیا جا سکے۔ آنے والی نسلوں کے لیے، یہ خزانے افکار اور بصیرت کے روشن راستے چھوڑ جائیں گے، جن سے غور و فکر کی استعداد والے دماغ مستفید ہو سکیں گے۔

زمان خان نے ایسا ہی ایک خزانہ 60 سے زائد انٹرویوز کو مرتب کر کے پیدا کیا ہے۔ اپنے ہم عصر لوگوں، اپنے سے کم عمر یا زائد عمر لوگوں کے انٹرویو کر کے، جنہوں نے بیسویں صدی کے آخری نصف یا اس صدی کے پہلے دو عشروں کے دوران اپنے افکار سے ہمیں روشنی یا تحریک دی ہے۔ انٹرویوز کا یہ مجموعہ، متبادل وژن: دانش کی آوازیں Alternative Vision: Voices of Reason (576 صفحات پر پھیلا ہوا ہے جسے اسلام آباد میں واقع ایک غیر منافع بخش، نظریاتی لحاظ سے ترقی پسند اشاعتی ادارے بدلتی دنیا نے شائع کیا ہے۔

خان نے یہ انٹرویوز گذشتہ کئی برسوں کے دوران، انگریزی زبان کی ایک مقامی پریس کے لیے کیے تھے۔ ان کو مرتب کرنے کے لیے انہیں صرف وقت درکار تھا۔ فن و ادب کے لیے اشتیاق، جنوبی ایشا کی قدیم و جدید تاریخ کے لیے جذبے، اور سیاست، انسانی حقوق اور امن کی تحریکوں میں شدید عمل دخل رکھنے کی بدولت وہ کئی میدانوں میں اعلیٰ مہارت کی حامل شخصیت ہیں۔ انہوں نے کتاب کو اپنے مربوط، مگر پھیلی ہوئی دلچسپیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

خان نے طالبعلم رہنما، ٹریڈ یونینسٹ، سیاسی کارکن، امن کے داعی، مصنف اور انسانی حقوق کے دفاع کار کی حیثیت سے بھرپور زندگی بسر کی ہے۔ انہوں نے ماضی کی آمرانہ حکومتوں میں جیلیں بھی کاٹیں اور جُرمانے بھی بھرے۔ جن معاملات نے انہیں ساری زندگی بے چین کیے رکھا وہ امتیازی سلوک، پاکستان و ہندوستان کے بیچ امن کا فقدان، اپنے آبائی پنجاب کے ثقافتی وا ور زبان سے متعلقہ حقوق، اور برطانوی ہندوستان کی تقسیم اور اس کے بعد سرحد کے دونوں اطراف عام لوگوں کو پیش آنے والے المناک دُکھ تھے۔ ایک حد تک، ان کے تحفظات کا اظہار ان کے بعض — تمام نہیں — چناؤ جن کے انہوں نے انٹرویو کیے تھے، سے اور ان سے کیے گئے کچھ سوالات سے ہو گیا ہے۔ مگر انہوں نے سوالات اٹھاتے وقت اپنے دیانتدارانہ تجسس اور کسرنفسی کو برقرار رکھ کر اپنے دانشورانہ وقار پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ نہ ہی انٹرویوز دینے والوں کے جوابات کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہوئی ہے۔ خان کی تحاریر اور تقاریر کی بدولت ان کے نظریاتی خیالات سے شناسائی کی بدولت میں یہ دعویٰ کچھ حد تک یقین سے کر سکتا ہوں۔

کتاب کے پہلے حصے میں جو 24 انٹرویوز پر مشتمل ہے، ہم خان کو امرتا پریتم اور عبداللہ حسین سے افضل احسن رندھاوا اور شمس الرحمان فاروقی تک جیسے فنکاروں اور مصنفین سے محو گفتگو پاتے ہیں۔ ہمیں سندھی اور اردو سے لے کے سویڈش اور بنگلہ زبانوں کے کئی اہم عصر مصنفین جو مختلف براعظموں میں مقیم ہیں، سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ نصرت فتح علی خان، جو خان ہی کی طرح فیصل آباد میں مقیم تھے، کے ساتھ ہونے والی ایک دلچسپ گفتگو بھی کتاب کا حصہ ہے۔

کتاب کے اگلے حصے میں، حمزہ علوی سے رومیلا تھاپر اور جین لوک ریبائن سے تاتیانا اورانسکیا تک، جنوبی ایشیا، فرانس، برطانیہ، سویڈن، ترکی، امریکہ اور روس سے تعلق رکھنے والے 20 نامور تاریخ دانوں اور سماجی سائنسدانوں نے اپنی علمی کھوجوں اور نتائج جن تک وہ پہنچ پائے اور جن تک نہ پہنچ پائے، کے بارے میں علم افروز انٹرویوز دیے۔ مجھے تاریخ کے امریکی پروفیسر اوڈرے ٹروشکے کا ادب اور تاریخ پر فطری رشتہ اور سنسکرت اور ایران کے مابین ثقافتی تبادلوں پر کیا گیا کام

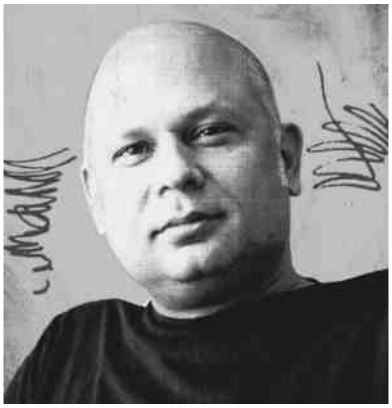

خاص طور پر پسند آیا ہے۔ وہ اورنگزیب: آدمی اور افسانہ، جس نے پاکستان اور ہندوستان، دونوں ممالک میں بحث چھیڑ دی ہے، کی مصنف بھی ہیں۔

کتاب کے آخری حصے میں پاکستان، افغانستان، آسٹریا اور برطانیہ سے تعلق رکھنے والے سیاستدانوں اور انسانی حقوق کے کارکنوں کے 21 انٹرویوز ہیں۔ پاکستانی سیاستدان جن کے خان نے انٹرویو کیے، زیادہ تر ترقی پسند نظریے کے حامی ہیں، مگر وفاقیت اور قومی حقوق کے متعلق مختلف آراء رکھتے ہیں۔ قاضی حسین احمد، اس وقت کے جماعت اسلامی کے امیر کا عورتوں کے بارے میں کیا گیا ایک انٹرویو استثنیٰ ہے۔ دیگر انٹرویوز کا سلسلہ اعتزاز احسن سے امام علی نازش اور عاصمہ جہانگیر سے آسٹریا سے تعلق رکھنے والے مگر اب اٹلی میں مقیم، اقلیتوں کے حقوق کے کارکن گنتھر راونٹز تک پھیلا ہوا ہے۔ جب خان پاکستانی اور ہندوستانی مارکسی سیاستدانوں سے گفتگو کرتے ہیں تو آپ کو ان کے سوالات میں ایک خاص جوش و ولولہ نظر آئے گا۔ ان کی شدید خواہش ابھر کر سامنے آ جاتی ہے — ہمیں جابرانہ اور ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام جس میں ہم رہتے ہیں، سے آزاد کرنے کی خواہش۔

میرے دل کو جو سب سے زیادہ بھایا ہے وہ کتاب کا پہلا حصہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ فن اور ادب کی طرف میرا خاص جھکاؤ ہو سکتا ہے مگر اس سے بھی زیادہ، اس کا سبب جذبے کی حقانیت ہے جس کے ساتھ یہ فنکار بولے ہیں۔ شاعرہ نسرین انجم بھٹی نے کچھ ایسا شاندار کہا ہے جو ذکر کرنے کے لائق ہے۔ جب خان نے ان سے کہا کہ وہ پاکستان کے ثقافتی منظرنامے کو کس طرح دیکھتی ہیں تو وہ برجستہ بولیں: "ہم ایک ایسے ملک کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جہاں اونٹ اور گھوڑے تو رقص کر سکتے ہیں، مگر انسان نہیں۔"

مصنف ایک شاعر اور لکھاری ہیں، اور آجکل ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے سیکرٹری جنرل کے عہدے پر براجمان ہیں۔ (انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

نسرین انجم بھٹی: طبقاتی جدوجہد، فکری آزادی اور انسانی حقوق کے حصول کی جنگ کا استعارہ

زمان خان

نسرین انجم بھٹی کا شمار ان خواتین شعرا اور لکھاریوں میں ہوتا ہے جنہوں نے جنرل ضیا کے تاریک دور میں لوگوں کو سیاسی طور پر متحرک کرنے میں بڑا اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ ان کی شاعری کی کتاب 'نیل کرایاں نیلکاں' جب بھٹو کی پھانسی کے قریب چھپی تو اس نے تہلکہ مچا دیا۔

وہ ماں بولی کی زبردست حامی تھیں۔ وہ کئی زبانیں بول سکتی تھیں۔ وہ کوئٹہ، بلوچستان میں ایک مسیحی خاندان میں پیدا ہوئیں، سندھ میں پلی بڑھیں۔ انگریزی، اردو اور پنجابی میں لکھتیں۔ انہوں نے چینی اور روسی ادب کا بہت مطالعہ کیا ہے۔

وہ پچھلی صدی کی ساٹھ کی دہائی میں بائیں بازہ کے سٹڈی سرکل میں شامل ہوتی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ طبقاتی جدوجہد، فکر کی آزادی اور انسانیت کی بات کی اور لکھا۔

1979 میں جب پولیس کو پتہ چلا کہ وہ بھٹو پر کتاب چھاپ رہی ہے تو پولیس نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی بھی پبلشر ان کی کتاب چھاپنے کے لئے تیار نہ تھا۔ نسرین نے بطور براڈ کاسٹر ریڈیو پاکستان لاہور میں کام کیا اور قابلیت اور لیاقت کی ہمیشہ ہمت افزائی کی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے ایک ادبی تنظیم کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا اور عمر کے آخری سالوں میں تحقیق کا کام کر رہی ہیں۔ ان کی زندگی میں ان کا ایک اہم انٹرویو درج ذیل ہے۔

سوال: اپنا پس منظر بتائیں؟

جواب: میں پیدائش کے لحاظ سے بلوچ ہوں، سندھ کی شہری ہوں اور پنجاب میں شادی کی ہے۔ میرا رشتہ سارے پاکستان سے ہے۔ میں نے بچپن کوئٹہ میں گزارا، اس سکول میں پڑھی جہاں ہزارہ لڑکیاں فارسی بولتی تھیں۔ میں نے گولیاں (بنٹے) اور وہ کھیل کھیلے جو کہ لڑکے کھیلتے تھے۔ میرے گھر والوں کو میری لڑکوں سے لڑائی کی بہت شکائتیں آتی تھیں۔ پھر ہم جیکب آباد سندھ چلے گئے کیونکہ میرے اجداد کوئٹہ کی زبردست سردی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ پھر میں نے لاہور کالج میں فائن آرٹس میں داخلہ لے لیا۔ اس سے مجھے مزید تعلیم حاصل کرنے اور اپنی آزاد فکر کو آگے بڑھانے کا موقع مل گیا۔ میں نے اورینٹیل کالج سے ایم اے اردو کیا۔ میں نے این سی اے میں بھی دو سال گزارے لیکن ڈپلومہ نہیں لیا۔ میں نے ایوب مخالف تحریک میں بھی حصہ لیا۔

سوال: بطور لکھاری آپ کو کس نے انسپائر کیا؟

جواب: میں صوفیا، مادھولال حسین اور آزادی کی تحریکوں سے متاثر ہوئی۔ میں ہو چی منہ، چی گویرا، لیلیٰ خالد، ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر سے متاثر ہوئی۔ اس کے علاوہ میں نے چینی اور روسی ادب بہت پڑھا۔ میں سٹڈی سرکل میں شامل ہوتی جس میں سرمد صہبائی، فہیم جوزی، شاہد محمود ندیم اور کنول مشتاق بھی ہوتے تھے۔ نجم حسین سید میرے گرو تھے۔ میں ان کے گھر ہفتہ وار میٹنگوں میں شامل ہوتی تھی۔

سوال: آپ نے کب لکھنا شروع کیا؟

جواب: میں نے پہلی نظم نو سال کی عمر میں لکھی اور یہ 'تعلیم و تربیت' رسالہ میں چھپی۔ یہ میرے لئے بہت بڑی بات تھی اور میں نے یہ اپنے سارے دوستوں کو دکھائی۔ بعد میں، میں اپنے کالج کے رسالہ کی ایڈیٹر بنی۔ اردو اور انگریزی میں نظمیں لکھیں۔ میں نے طالب علمی کے زمانے میں ہی امروز اور پاکستان ٹائمز سے صحافت شروع کی۔ میں نے ادب، طلبا سیاست اور بچیوں کے مسائل کے بارے میں لکھا۔ ایڈیٹر ہارون سعد نے مجھے کہا کہ میں ہفتہ وار کالم لکھوں۔

سوال: آپ نے ریڈیو پاکستان کب اور کیسے جوئین کیا؟

جواب: میں نے 1971 میں Talent Hunt Programme کے تحت جوائین کیا۔ میں طلبا کی سرگرمیوں کو دیکھتی اور ادبی پروگرام میں نظمیں اور مضمون پڑھتی۔ میں یونیورسٹی کے زمانے میں باقاعدگی سے لاہور ریڈیو سٹیشن جاتی تھی۔ سو یہ میرے لئے کوئی نہیں بات نہیں تھی۔ جس بورڈ نے میرا انٹرویو کیا اس کے سربراہ صوفی تبسم تھے اور دوسرے ممبران میں شکور بیدل، انجم رومانی اور اشفاق احمد شامل تھے۔

سوال: آج کے معاشرہ میں لکھاری خاص کر عورت لکھاری کا کیا کردار ہے؟

جواب: ادب کی کوئی جنس نہیں۔ برصغیر کی ادبی تاریخ میں ہمارے ہاں عصمت چغتائی، قراۃ العین حیدر اور امرتا پریتم ہیں۔ پاکستان میں فاطمہ جناح ہیں جنہوں نے اپنے بھائی کے بارے میں چھوٹا سا کتابچہ لکھا۔ میں پپسی سدھوا، خدیجہ گوہر، الطاف فاطمہ، فاطمہ ثریا بجیہ، فرخندہ لودھی، ڈاکٹر عائشہ صدیقہ، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، عذرہ وقار، عابدہ وقار، فوذیہ رفیق اور آخر میں بے نظیر بھٹو کا ذکر کروں گی۔

سوال: کیا موجودہ حالات کسی طریقہ سے آپ کے بطور شاعر تخلیقی کام میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں؟

جواب: میں محسوس کرتی ہوں کہ میں سوچنے میں آزاد ہوں اور اپنے ذہن کے لینڈ سکیپ پر اور اپنے خواب آنے والی نسلوں کو منتقل کر سکتی ہوں۔

سوال: آپ آج کے پاکستان کے ثقافتی ماحول پر بات کرنا چاہیں گی؟

جواب: ہم اس ملک کے بارے میں بات کر رہے ہیں جہاں گھوڑے اور اونٹ ناچ سکتے ہیں لیکن جہاں انسان نہ ناچ سکتا ہے اور نہ گا سکتا ہے۔

سوال: آپ پاکستان میں عورتوں کی صورت حال کیسے دیکھ رہی ہیں؟

جواب: ایک عورت ایک دوسرے انسان کو جنم دے سکتی ہے مگر خود آزادی سے سانس نہیں لے سکتی۔ وہ صرف اپنے اوپر نیلا آسمان اور پاوں کے نیچے ایک چھوٹا سا زمین کا ٹکڑا چاہتی ہے۔

سوال: آپ اب ریٹائر ہو چکی ہیں تو آپ اپنا وقت کیسے گذارتی ہیں؟

جواب: ریٹائرمنٹ بھی ایک قسم کی نوکری ہوتی ہے۔ میں نے ریٹائرمنٹ بے کار بیٹھنے کی لئے نہیں لی ہے۔ یہ میرے لئے تخلیق کا ایک اور مرحلہ ہے جس میں مجھے عورتوں کی نفسیات پر تحقیق کا وقت مل گیا ہے۔

بھارت میں ڈکٹیٹرشپ آ گئی تو خطے کی سیاست بدل جائے گی: بھارتی دانشور رومیلا تھاپر کے ساتھ ایک نشست

زمان خان

پروفیسر رومیلا تھاپر کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں وہ دنیا کے علمی حلقوں میں خاص کر انڈیا کی قدیم تاریخ لکھنے کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔انہوں نے تاریخ کی کئی کتابیں لکھی ہیں مگر بقول تھاپر 'لکھ چکی ہوں جو لکھنا تھا۔اب کتاب لکھنا بند کردیا ہے'۔

ان کی لاہور کے ساتھ بہت یادیں وابستہ ہیں جہاں پر ان کے دادا کا لارنس روڈ پر گھر تھا۔ان کے والد فوج میں ڈاکٹر تھے۔ وہ رومیلا سے مخطوطات پڑھواتے تھے۔جس کی وجہ سے رومیلا کی تاریخ میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

دہلی فسادات مسلمانوں کیخلاف منظم منصوبہ بندی کے تحت ہوئے، مسلمانوں کو چن چن کر نشانہ بنایا گیا: اقلیتی کمیشن رپورٹ

ہربھجن سنگھ اور یوراج سنگھ کا شاہد آفریدی سے کسی بھی قسم کا تعلق نہ رکھنے کا اعلان

انہوں نے Third Chakravarity Memorial Lecture: To question and not to question: This is the question میں کہا کہ استاد حکومت وقت سے سوال کرنے سے شرماتے ہیں۔انہیں سرکار سے بہت سوال کرنے چاہیں۔

جب وہ جوان تھیں تو ان کے والد نے ان سے پوچھا کہ 'تمہیں جہیز کے لئے پیسے چاہیں یا لندن یونیورسٹی سے اعلیٰ ڈگری کے لئے'۔ رومیلا نے جہیز پر ڈگری کو ترجیح دی۔اور مڑ کر کبھی نہیں دیکھا۔

گو ان کی تحریروں میں نسوانیت نظر نہیں آتی مگر وہ اپنے آپ کو Feminist کہتی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ فیمینسٹ مورخین کی لکھی ہوئی تاریخ کو سنجیدگی سے دیکھنا چاہیے۔

میری ملاقات سے کچھ پہلےیان کا اپنی نہایت ہی ذاتی زندگی کے بارے میں بی بی سی پر انٹرویو چھپا تھا (گو بعد میں وہ ہٹا لیا گیا)۔جب اس کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے کہا کہ اس کے بارے میں کوئی سوال نہ کریں۔

وہ برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کے بارے میں 'ہند/سندھ تھیوری کو نہیں مانتیں'۔ان کی رائے میں کروکشیتر کے مقام پر مہابھارتہ جنگ ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔

تھاپر نے 'سومنات' پر بھی کتاب لکھی۔(سومنات شکنی اور مندر گرانے) کے حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ یہ فساد برطانوی سامراج نے ہندو/مسلمان دشمنی پیدا کرنے کے لئے کھڑا کیا۔محمود غزنوی بھی دوسرے حملہ آوروں کی طرح تھا بلکہ اس نے مندر بنوانے میں بھی مدد کی۔انہوں نے یہ کتاب فارسی ماخذوں کی مدد سے لکھی۔

انہوں نے کالی داس کے 'شکنتلا' ڈرامہ پر بھی لکھا۔جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ وہ 'ادب کی تاریخ کے لئے افادیت' کا رشتہ ڈھونڈ رہی تھیں۔

بابری مسجد کے معاملہ میں ان کا شمار ان دانشوروں میں ہوتا ہے جن کا کہنا ہے کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ بابری مسجد، رام مندر کو گرا کر بنائی گئی تھی۔

تھاپر کا شمار جواہر لال یونیورسٹی میں Modern History Department at Jawahar Lal University کے بانیوں میں ہوتا ہے۔جہاں انہوں نے بہت ساری دیو مالاؤں (تاریخی مغالتوں) کو پاش پاش کیا، کئی نسلوں کو پڑھایا اور متاثر کیا ہے۔ Somnath: The Many Voices of History لکھنے پر امریکہ میں رہنے والے ہندوستانی (ہندو) ان سے ناراض ہوگئے اور انہوں نے تھاپر کی Smithsonian Institute Institute Washington Washington میں تعیناتی کی مخالفت کی۔تھاپر نے انڈیا کا سب سے بڑا سویلین ایوارڈ پدما شری دو دفعہ لینے سے انکار کیا۔

اپنے ایک خط میں انہوں نے صدر جمہوریہ ہند کو لکھا کہ 'میں نے کچھ سال پہلے یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں صرف تعلیمی اداروں سے ایوارڈ لوں گی یا ان اداروں سے جن کا تعلق میرے علمی کام سے ہوگا۔ریاستی ایوارڈ قبول نہیں کروں گی'۔

آپ ان کی سیکولرازم سے کمٹمنٹ کا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ 90 سال کی عمر کو پہنچنے کے باوجود وہ دہلی کے شاہین باغ میں مودی حکومت کی طرف سے شہریت قانون Citizen Amendment Act (CAA) کے خلاف لگائے گئے احتجاجی کیمپ میں لاٹھی پکڑ کر ایک شاگرد کی مدد سے اظہار یکجہتی کرنے پہنچ گئیں۔ باوقار، مورخ، عالم اور عاجز تھاپر اپنے علمی کام میں پوری طرح مگن ہیں گو ان کی عمر نوے سال کے قریب ہے مگر ان کی یادداشت آج بھی تیز ہے۔مذہبی فرقہ واریت سے ان کو سخت نفرت ہے۔وہ اپنا وقت لیکچر دینے اور پڑھنے میں گذارتی ہیں۔

پاکستان اور انڈیا کے تعلقات کے بارے میں ان کا کہنا تھا' میں سنجیدگی سے امید کرتی ہوں کہ آخر کار یہ ہونا ہی ہے۔ جب کہ سارا خطہ ثقافتی اور تاریخی طور پر اتنا جڑا ہوا ہے، ہم ایک ہیں، یہ ہوگا۔ میں نہیں دیکھتی کہ یہ نفرت ہمیشہ رہے گی'

مہارانی باغ، دہلی میں ان کا گھر اور ڈرائینگ روم کتابوں سے بھرا پڑا ہے۔

ان سے بات چیت کا خلاصہ پیش خدمت ہے

سوال: سیکولر انڈیا، ہندو انڈیا کیوں بن رہا ہے؟

جواب: یہ ایک لمبی تاریخ ہے۔اس کا تعلق اس وقت سے ہے جب سیکولر نیشنل ازم تھا۔جو کہ سامراج دشمن تھا۔لیکن اس وقت دو اور چھوٹی تحریکیں بھی تھیں، مسلم لیگ جو مسلم مذہبی نیشنل ازم پر زور دیتی تھی اور ہندو مہاسبھا جس کا ہندو مذہبی نیشنل ازم پر زور تھا۔

ہوا یہ کہ مسلم نیشنل ازم پاکستان بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ سو ہندو نیشنلزم کے ساتھ وابستہ لوگ بھی ایسی ہندو سیاسی ریاست انڈیا کو بنانا چاہتے تھے۔یہ اس لئے نہیں ہو سکا کیوں کہ اس وقت کے انڈیا میں کافی لوگ سیکولر قومی تحریک کے ساتھ جڑے ہوئے تھے اس لئے انڈیا سیکولر ریاست رہا۔

ہوا یہ کہ پچھلی چند دہائیوں میں جو باتیں ہوئیں ان سے لوگوں میں مایوسی آ گئی اور وہ پچھلی سرکار سے دور ہوتے گئے۔ان قدروں سے دور ہوتے گئے، اب نئی قدریں بنانا آسان نہیں۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ جس سرکار نے ترقی کے نام پر ووٹ لیے تھے اور اقتدار میں آئی، اب لگتا ہے ان کا کوئی اور ایجنڈہ ہے۔

کوشش کی جا رہی ہے کہ ریاست اور معاشرے کو 'ہندو' بنا دیا جائے اور اب وہ کھل کر بات کر رہے ہیں۔

میرے خیال میں نیولبرل ازم اور مارکیٹ اکانومی کی وجہ سے مڈل کلاس میں اضافہ ہوا ہے۔پر اس نے مقابلہ کا زبردست مسئلہ پیدا کر دیا ہے جس سے لوگ غیر محفوظ ہو رہے ہیں۔جب لوگ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں تو وہ آسان حل کی طرف جاتے ہیں۔ہندو شہری کا نظریہ آسان حل ڈھونڈ رہے ہیں۔یہ ان کو اپیل کرتا ہے۔

سوال: کیا آپ نہیں سمجھتی کہ نیولبرل ازم، بزنس اور مذہب کا اشتراک عوام دشمن اور زہر قاتل ہوگا؟

جواب: ہاں یہ بہت برا اشتراک ہوگا۔کیوں کہ نیولبرل ازم کے معنی ہیں ہر چیز کو انفرادی قدم پر چھوڑ دینا خواہ یہ سرمایہ کاری ہو، یا پیسے بنانے کے لئے کوئی اور طریقہ۔یہ یقینا تضاد ہے کہ نظریاتی طور پر ایک متحرک، ہندو ریاست بنانے کے لئے اپنے آپ کو بہت ہی منظم کرنا پڑتا ہے۔جو ایسی ریاست کی ضرورت بنتی ہے اور جو اقتصادیات سے ٹکراتی ہے۔میرے خیال میں ایک تضاد ابھر آئے گا۔

سوال: ایک ایسا ملک جس کا سب سے بنیادی دعویٰ تھا کہ وہ سیکولر ہے اس میں سیکولر قوت کیوں کمزور ہوگئی ہے؟

جواب: میرے خیال میں جو لوگ سیکولر تھے ان کا خیال تھا کہ اب سیکولرازم آ گیا ہے اور ان کا پختہ یقین تھا کہ اب یہ ہمیشہ رہے گا۔اس نظریہ پر ان کا بہت انحصار تھا کہ ریاست سیکولرازم کا دفاع کرے گی۔انہوں نے عوام میں کافی کام نہیں کیا کہ وہ سمجھ سکیں کہ سیکولر معاشرہ اصل میں کیا ہوتا ہے، اس کا مطلب کیا ہے۔

یہاں ہندوستان میں ہم سیکولرازم کی کئی تعریفیں کرتے ہیں جو میرے خیال میں کافی نہیں ہے۔ہم عام طور پر کہتے ہیں کہ سب مذاہب کے ساتھ رہنا، بقائے باہمی۔لیکن یہ کافی نہیں ہے آپ بقائے باہمی کر سکتے ہیں لیکن جب تک مذاہب میں سماجی برابری نہ ہو یہ سیکولرازم نہیں ہے۔جب تک سارے مذاہب میں سماجی برابری اور بقائے باہمی نہ ہو۔مگر کچھ مذاہب کو زیادہ اہمیت، فوقیت اور جگہ دی گئی۔اس جگہ ہماری تعریف مکمل نہیں۔

سوال: آپ کے خیال میں ایسی کوئی تحریک یا لوگ ہیں جو اس طرح سوچتے ہیں؟

جواب: ایسے لوگ ہیں جو اس طرح سوچتے ہیں مگر کوئی بڑی تحریک نہیں ہے، کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔

سوال: یہ تو بہت ہی دکھ کی بات ہے کیوں کہ پاکستان میں لوگ خاص کر سیکولر اور لبرل انڈیا کی طرف دیکھتے ہیں؟

جواب: ہاں ہندو بنیاد پرستی میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ شائد مذہبی لحاظ سے تضاد ہو۔ پر سیاسی لحاظ سے نہیں۔ یہ مایوس کن ہے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ جب یہ ایک خاص سطح سے آگے بڑھ جاتی ہے تو اس کی ضرور مزاحمت ہوتی ہے۔ سو ہمیں امید کرنی چاہئے کہ ہم اس چیلنج کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔

سوال: مجھے اگر صحیح یاد ہے کہ آپ نے کچھ اس طرح کہا تھا کہ لفظ ہندو بعد میں گھڑا گیا پہلے یہ برہمن تھا۔۔۔۔۔؟

جواب: نہیں یہ برہمن نہیں تھا۔ کوئی بھی اصطلاح اس سارے مذہبی فرقہ کے لئے استعمال نہیں ہوتی تھی۔ لفظ ہندو پہلے پہل ان لوگوں کے لئے گھڑا گیا تھا جو مغربی ایشیا انڈس (دریائے سندھ) کے پار رہتے تھے۔ لفظ الہند کا لسانی طور پر تعلق دراصل ہندو/سندھو کے ساتھ ہے۔ شروع میں اس کا مطلب تھا جو سندھ کے پار رہتا ہے۔ اس وقت یہ جغرافیائی اصطلاح تھی پھر آہستہ آہستہ جب ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوں کو، مسلمانوں یا عیسائیوں سے الگ کیا جائے تو یہ ان کے لئے استعمال ہونی شروع ہوئی، جو نہ مسلمان اور نہ عیسائی ہیں۔ یہ 14/15 صدی میں مذہب کے معنوں میں استعمال ہونا شروع ہوئی۔ پہلے یہ جغرافیائی اصطلاح تھی۔

سوال: آپ نے کہا کہ بدھ پہلا قوم پرست تھا؟

جواب: میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ بدھ پہلا قوم پرست تھا۔ میں نے کہا تھا کہ ان لوگوں کی نمائندگی کرتا تھا جنہوں نے وید، براہمن ازم کو چیلنج کیا تھا۔ انہوں نے اسے ایک الہامی کتاب کے طور پر چیلنج کیا تھا۔ انہوں نے روح اور دوسرے خیالات کو چیلنج کیا تھا۔ لیکن صرف بدھ ہی عقلیت پسند، ریشنلسٹ نہیں تھا۔ صرف وہی نہیں اور بھی تھے۔

سوال: بدھ ازم ہندوستان میں کیوں مٹ گیا اور باقی دنیا میں پھیل گیا؟

جواب: یہ ایک وقت میں بہت اہم تھا۔ یہ غالب تھا، پر پھر برہمن ازم کے مقابلہ میں یہ زوال پذیر ہو گیا۔ اس کو مشرقی ہندوستان کی طرف دھکیل دیا گیا۔ وہاں سے اس کا تعلق تبت کے ساتھ پیدا ہو گیا اور پھر یہ جنوب مشرقی ایشیا میں پھیل گیا۔ ایک شاخ گندھارا، شمال مغربی ہندوستان سے سنٹرل ایشیا اور وہاں سے چین چلا گیا، پھیل گیا۔

سوال: جب دائیں بازو کی ہندو قوتوں نے اپنے آپ کو کھڑا کرنے کی کوشش کی تو سیکولر مورخوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ موجودہ صورت حال میں ایسی کوئی کوشش یا مقابلہ نظر نہیں آتا۔ آپ نے اپنے لیکچر میں مورخوں کو کہا کہ اس تاریخی ڈویلپمنٹ، ترقی کو چیلنج کریں۔ کیا اس وقت مورخوں کو متحرک کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟

جواب: لیکچر میں میں نے یہ دلیل دی تھی کہ لوگوں کو بولنا چاہئے، سوال کرنا چاہئے، جہاں وہ ریاست اور معاشرہ کے متعلق اقدامات سے اختلاف کر رہے ہوں۔ مجھے اس بات کی تشویش ہے کہ کافی لوگ بول نہیں رہے ہیں۔

میں یہ بات بتانا چاہوں گی کہ مجھے لفظ 'متحرک' پر اعتراض ہے جو آپ نے ابھی استعمال کیا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ پچھلی آدھی صدی میں انہیں متحرک کیا گیا تھا۔

ہم سیکولر مورخ تھے اور ہمارا ردعمل سیکولر تاریخ سے آتا تھا۔ جو کہ ہم لکھ رہے تھے۔ آپ مورخوں کو متحرک نہیں کر سکتے۔ مورخوں کو خود سوچنا چاہئے کہ وہ تاریخ کی کیسے تشریح کرتے ہیں۔ ہر مورخ کو قائل کرنا ہوگا۔ جس قسم کی وہ تاریخ لکھ رہے ہیں اور تشریح کر رہے ہیں۔ تاریخی مسائل کو سمجھنے کی کوشش ہے جس مسئلہ کا وہ مطالعہ کر رہے ہیں۔

میں مذہبی نقطہ نظر کے مقابلہ میں بطور سیکولر مورخ، سیکولر نقطہ نظر کی حمائت کروں گی۔ مگر ہم بطور مورخ متحرک نہیں کئے جا سکتے۔ ان کو خود اپنے جواب ڈھونڈنے پڑیں گے۔

اگر وہ جو تاریخ لکھ رہے ہیں اس کی سچائی اور صحت کا سوال نہیں پوچھیں گے تو پھر سوائے تنقید کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ یہ تاریخ تنقید کی شہادت پر مبنی نہیں ہے، سارے ممکن مواخذ اور دوسری وجوہات۔

سوال: درسی کتب علم منتقل کرنے کا ایک اہم ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ 1970/1980 میں آپ نے جو درسی کتابیں لکھی ان میں آپ نے سیکولر شناخت کا درس دیا۔ دائیں بازو کی طرف سے اب درسی کتب میں تبدیلی کے بارے میں آپ کا کیا نقطہ نظر ہے؟

جواب: جس چیز کو ہمیں سمجھنا چاہئے وہ یہ کہ معاشرہ کی مختلف شناختیں ہوتی ہیں۔ جس کو ہمیں سمجھنا ہوگا کہ معاشرہ کی مختلف شناختیں ہیں اور ہر ایک کی اپنی تاریخ ہے۔ مورخ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو شامل کریں اور اس کو چھوڑ دیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مورخ ان بہت ساری شناختوں کو آپس میں کیسے پروتا ہے۔ اس سلسلہ میں شناخت کے مسئلہ کو دوبارہ دیکھنا پڑے گا۔ شناخت سے کیا مطلب ہے۔ ہمیں یہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ شناخت مختلف تاریخی حالات میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

خواہ ہم ایک شناخت کی بات کریں۔ ہمیں اس میں احتیاط سے تعریف کرنی ہوگی۔ کیوں کہ یہ شناخت تبدیل ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر ہمارا پاکستانی شناخت سے کیا مطلب ہے، انڈین یا سری لنکن شناخت سے کیا ہے۔ یہ شناختیں کیا ہیں سوائے تحقیق کا تعلق نیشن سٹیٹ سے ہے۔ ہم نے یہ بحث نہیں کی، ہم نے بس اس کو مان لیا۔ بحث میں ثقافت، مذہب، زبان ہر وہ چیز جو معاشرہ، گروہ بنانے میں شامل ہیں تو پھر شہری۔ تاریخی نقطہ نظر سے ہمیں ان کو زیادہ احتیاط کے ساتھ دیکھنا ہوگا جو ہمارے پاس ہیں اور مختلف طور پر، سطح پر، پس منظر سے۔

سوال: تاریخ عورتوں اور دلت کے نقطہ نظر سے لکھی جا رہی ہے اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: نسائی تاریخ بہت ضروری ہے کیوں کہ وہ سوالات جو نسائی مورخ اٹھا رہی ہیں ان کا جائزہ لئے بغیر سماجی تاریخ نہیں لکھی جا سکتی۔ آپ ان کے ساتھ اختلاف یا اتفاق کر سکتے ہیں جو ان کا نقطہ نظر ہے یا ان کے جواب سے۔ اسی طرح، دلت تاریخ میں ان کے نقطہ نظر پر سوال اٹھائے اور پوچھنے چاہئیں۔ پھر آخر کار اس کا انحصار اس پر ہے کہ اس کو سماجی تاریخ کے ساتھ کس طرح جوڑا جائے۔ آپ مورخوں کو تقسیم کر سکتے ہیں۔

کچھ مورخ مارکسسٹ تھے/ ہیں اور کچھ غیر مارکسی ہیں۔ بہت طویل، لمبی بحثیں ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر کیا انڈیا میں مغرب کی طرز کی جاگیردار، فیوڈل سوسائٹی، معاشرہ ہے۔ اگر نہیں ہے تو کس طرح اس سے مختلف ہے۔ ان بحثوں نے ہمارے علم میں اضافہ کیا۔ جس کو ہم میڈیول ہندوستان، معاشرہ، انڈیا کہتے ہیں۔ جو تاریخ کو ہندوتوا نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ اپنا نظریہ لاگو کرنا چاہتے ہیں، وہ بحث نہیں کرنا چاہتے۔

اگر آپ ایک پیچیدہ، معاشرہ کو سمجھنا چاہتے ہو تو اس میں آپ کو کئی، مختلف نقطہ نظر، پس منظر سے دیکھنا ہوگا۔ ہر ایک بنیاد، شہادت اور تجزیہ۔ مورخ کو کرنا ہوگا۔ اس کو شہادت کو پرکھنا ہوگا، اور اس کے ساتھ ساتھ منطق کی سچائی، دلیل کی صحت کو دیکھنا ہو گا اور پھر دیکھنا ہوگا کہ ماضی کس طرح ابھرتا ہے۔

سوال: آپ آجکل کیا لکھ رہی ہیں؟

جواب: میں کچھ نہیں لکھ رہی ہوں۔ میں نے Academic Monogram لکھنے اب بند کر دئے ہیں۔

سوال: آپ اپنا وقت کیسے گذارتی ہیں؟

جواب: میں پڑھتی ہوں، لیکچر دیتی ہوں، گفتگو کرتی ہوں اور چھوٹا موٹا لکھ لیتی ہوں، پر کتاب نہیں۔

سوال: موجودہ حالات آپ ہندوستان میں سیکولرازم کا کیا مستقبل، کس طرح دیکھ رہی ہیں، کیا یہ تبدیل ہوگا؟

جواب: اس کو تبدیل ہونا پڑے گا۔ میرے خیال میں بہت بحث مباحثہ ہوگا، ممکنہ طور پر جھگڑا، سیکولرازم کی تعریف پر، مگر، اگر ہندوستان بطور جمہوریت کے زندہ رہتا ہے۔ ہمیں سیکولر ہونا پڑے گا۔ اور کوئی راستہ نہیں۔ اگر ہم تبدیل ہو جاتے ہیں اور ڈکٹیٹر شپ آجاتی ہے پھر سارے خطہ کی سیاست بدل جائے گی۔

سوال: کیا آپ انڈیا میں ڈکٹیٹر شپ کے آثار دیکھ رہی ہیں؟

جواب: میں نہیں جانتی۔ اس وقت اس کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔

سوال: عام آدمی پارٹی کے بارے میں کیا خیال ہے۔ یہ اک نئی قوت ہے؟

جواب: مجھے بہت کم اندازہ ہے، علم نہیں کہ شہر میں ووٹر کس طرح سوچتا ہے۔ ایک زمانے میں یہ ایک طاقت تھی اس میں استعداد تھی لیکن دیکھتے ہیں کہ اب ہے کہ نہیں۔

سوال: آپ کا کیا خیال ہے پاکستان اور انڈیا میں تعلقات بہتر ہوں گے؟

جواب: میں سنجیدگی سے امید کرتی ہوں کہ آخر کار یہ ہونا ہی ہے۔ جب کہ سارا خطہ ثقافتی اور تاریخی طور پر اتنا جڑا ہوا ہے، ہم ایک ہیں، یہ ہوگا۔ میں نہیں دیکھتی کہ یہ نفرت ہمیشہ رہے گی۔

منظور پشتین کی گرفتاری کیخلاف احتجاج کرنے پر گرفتار ہونے والے 74 سالہ بزرگ کی آپ بیتی، کب کیا ہوا؟

زمان خان

یہ تاریخ میرے لئے بہت اہم ہے کیونکہ میں اس تاریخ کو 74 سال کا ہو گیا ہوں۔ اس کے ساتھ اس سال یہ دن اس لئے بھی میری زندگی کا اہم دن بن گیا کہ اس دن فیصل آباد پولیس نے مجھے فیصل آباد پریس کلب کے باہر سے گرفتار کر کے مجھے احساس دلوایا کہ تم آج اس عمر میں بھی اس نظام کیلئے خطرہ ہو۔

میرا یہ خیال اور یقین ہے کہ اب نوجوانوں کو قوم کی رہنمائی اور قیادت فراہم کرنی ہے۔ میں عمران خان کی حکومت کا شکر گزار ہوں کہ اس کی پنجاب پولیس نے مجھے گرفتار کر کے عزت بخشی اور جنم دن کا بہترین تحفہ دیا۔ میں پولیس کے انسانیت سوز رویہ کا گلا اس لئے نہیں کرتا کیونکہ میں نے کبھی بھی ایسے دوستوں سے اتفاق نہیں کیا جو سمجھتے ہیں کہ ہماری پولیس عوام، انسان دوست اور مہذب ہو سکتی ہے۔ وہ ہر پاکستانی کو مجرم اور اگر وہ سیاسی اور انسانی حقوق کا شعور رکھتا ہو تو اسے غدار اور وطن دشمن سمجھتی ہے۔

اس کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ جس دور میں ہم جوان ہوئے وہ فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان کا دور تھا۔ یہ دور بہت ہی جبر وستم کا دور تھا۔ اس دور میں عوام کو کسی قسم کے بنیادی حقوق حاصل نہیں تھے۔ اسی دور میں بائیں بازو کے سیاسی رہنما حسن ناصر کو لاہور کے شاہی قلعہ میں تشدد کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ پنجاب اسمبلی کے رکن باقی بلوچ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی مگر ایک صحافی مارا گیا۔ لاہور میں جماعت اسلامی کے جلسہ پر فائرنگ کی گئی جس میں کچھ لوگ مارے گئے۔ جماعت اسلامی پر پابندی لگا دی گئی۔ جنرل ایوب نے آتے ہی ترقی پسند اور عوام دوست اخبارات کو قومی تحویل میں لے لیا، پریس کو کنٹرول کرنے کے لئے پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈیننس جاری کیا۔

میرا مقصد یہاں پر کوئی پہلے مارشل لا کی تاریخ بیان کرنا نہیں، یہ صرف اس لئے دہرا رہا ہوں تا کہ آج کے نوجوانوں کو کچھ پتہ چلے کہ پاکستان میں آج جو ظلم ستم ہو رہا ہے وہ کوئی نیا نہیں ہے اور ہمارے بزرگوں نے اس سے بھی بدتر حالات میں عوامی حقوق میں جدوجہد کی ہے۔

جنرل ایوب خان کے جبر کی بات ایک واقعہ بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔ میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے پولیٹیکل سائنس کا طالب علم تھا۔ عطا الحق قاسمی میرا دوست ایم اے اردو کا طالب علم تھا اور نوائے وقت میں کام کرتا تھا اس نے میرے نام سے ایک خبر لگا دی۔ وہ خبر ہمارے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ محترم استاد پروفیسر انوار سید کے پاس آ گئی کہ اس لڑکے کو نکال دیا جائے۔ پروفیسر انوار نے جواب دیا

کہ اس لڑکے نے ڈیپارٹمنٹ کے ڈسپلن کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی۔

2 فروری کو عوامی ورکرز پارٹی فیصل آباد نے پاکستان بھر میں گرفتار سیاسی اور سماجی کارکنوں خاص کر پی ٹی ایم کے منظور پشتین کی گرفتاری پر فیصل آباد پریس کلب کے باہر پر امن احتجاج رکھا، میں جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ہر طرف پولیس ہی پولیس ہے اور میری بیوی اینہ زمان کو پولیس نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ اتنی دیر میں پولیس کے سپاہی میری طرف آئے اور مجھے کہا کہ ہمارے ایس ایچ او کا حکم ہے کہ تم اس پولیس کی گاڑی میں بیٹھ جاو۔ میں نے پوچھا کہ میرا جرم کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں نہیں معلوم افسر کا حکم ہے۔ اگر تم خود نہیں بیٹھ سکتے تو ہم اٹھا کر بٹھا دیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ ابھی مجھ میں ہمت ہے، میں خود بیٹھ جاتا ہوں۔ جب پولیس کی گاڑی چلی تو میں نے دیکھا کہ پولیس میری بیوی کو گرفتار کر کے لے جا رہی ہے۔ مجھے تھانہ ریل بازار لے جایا گیا اور ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیا گیا جس میں پہلے ہی عوامی ورکرز پارٹی کے کارکن بند تھے۔ باہر سے اس کمرے کو تالہ لگا دیا گیا کہ دہشتگرد اور غدار بھاگ نہ جائیں۔ تھانہ میں داخل ہوتے ہی میرا موبائل فون لے لیا گیا تھا۔ چند گھنٹوں بعد ہمیں کہا گیا کہ آپ جا سکتے ہیں مگر آپ کے فون فارنزک آڈٹ کے بعد واپس کئے جائیں گے۔

اب تھوڑی سی بات اسلام آباد میں گرفتار دوستوں کے بارے میں بھی ہو جائے۔ جن پر دہشت گردی کی دفعات لگائی گئیں اور سیشن جج نے ضمانت بعداز گرفتاری مسترد کرتے ہوئے لکھا کہ ان ملزمان کے خلاف غداری کی دفعہ بھی لگنی چاہیے، شکر ہے اسلام آباد ہائی کورٹ نے ان کی ضمانت لے لی ہے اور پولیس سے پوچھا ہے کہ ان لوگوں نے پر امن مظاہرہ کر کے کون سا جرم کیا ہے کہ ان کے خلاف غداری اور دہشت گردی کا پرچہ دیا جائے۔

ہماری گرفتاری کی خبر نہ تو پرنٹ اور نہ ہی مقامی الیکٹرانک میڈیا نے دی۔ غالباً یہ ہائی بریڈ ففتھ جنریشن وار کا حصہ ہے، مگر کیا کیا جائے جو ایک مقامی خبر تھی وہ ساری دنیا کے سوشل میڈیا کی خبر بن گئی۔ میں شکر گزار ہوں انتظامیہ کا اس جنم دن کے بہترین تحفہ کے لئے اور یہ احساس دلوانے کا کہ، ابھی تو تم جوان ہو۔ مزید مجھے اور میری شریک حیات اینہ زمان کو ایک ہی وقت پس دیوار زنداں رکھ کر تاریخ رقم کرنے کا۔

(بشکریہ نیا دور)

> اب تھوڑی سی بات اسلام آباد میں گرفتار دوستوں کے بارے میں بھی ہو جائے۔ جن پر دہشت گردی کی دفعات لگائی گئیں اور سیشن جج نے ضمانت بعداز گرفتاری مسترد کرتے ہوئے لکھا کہ ان ملزمان کے خلاف غداری کی دفعہ بھی لگنی چاہیے

سماج: وقت پہ لگا ٹانکا

سمیہ حفیظ

65 سالہ ہَیر بی بی کی ماہر انگلیوں میں موجود سوئی اس کے گھٹنوں پر پڑے ایک روایتی بلوچی لباس پر چل رہی ہیں۔ بلوچستان کے ضلع کیچ کے گاؤں کڈن کی رہائشی ہَیر بی بی ایک پیشہ ور کشیدہ کار ہیں جنہیں مقامی طور پر دوچ گیر کہا جاتا ہے۔

اپنی عمر کے باوجود وہ گزر بسر کرنے کے لیے کام کرتی ہیں اور تقریباً 10 ہزار روپے ماہانہ کما لیتی ہیں۔ 16 سال کی عمر سے کڑھائی کا کام شروع کرنے والی ہَیر بی بی کا کہنا ہے کہ 'میرے پاس کڑھائی کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے، میرے بیٹے بے روزگار ہیں، میرے شوہر ایک دکاندار ہیں اور صرف ان کی کمائی ہمارا پیٹ پالنے کے لیے ناکافی ہے'۔ ہَیر بی بی کی دو بیٹیاں بھی کڑھائی کا کام کرتی ہیں اور گھر کی آمدن میں حصہ ڈالتی ہیں۔

ہَیر بی بی ان ہزاروں بلوچ خواتین میں سے ایک ہیں جو چاغی، جھل مگسی، مکران، ڈیرہ بگٹی، جھل، سبّی، کوہلو، مستونگ اور قلات جیسے بلوچستان کے مختلف علاقوں میں دوچ گیر کے طور پر کام کرتی ہیں۔

شام تک گھر کے کام مکمل کرنے کے بعد وہ کپڑا اور دھاگا لیے چارپائی پر بیٹھ جاتی ہیں اور کڑھائی شروع کردیتی ہیں۔ کبھی کبھی تو وہ 6 گھنٹے تک بھی کام کرتی ہیں خاص طور پر اس وقت جب انہوں نے صبح سویرے گھر کے کام شروع کرنے سے قبل کڑھائی نہ کی ہو۔ گھنٹوں تک سیدھے بیٹھے رہنا اور کڑھائی پر توجہ دینا بہت مشکل کام ہوتا ہے، اسی وجہ سے دوچ گیروں میں کمر درد اور نظر کمزور ہونے کی شکایت عام ہوتی ہے۔

بلوچ خواتین فراک کی طرح کے جس روایتی لباس کو پہنتی ہیں اسے پشک کہا جاتا ہے۔ پشک پر ہونے والی کڑھائی کمر سے دامن کے کنارے تک جانے والی جیبوں اور آستینوں پر کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پشک کے ساتھ پہنی جانے والی شلوار کے پائنچوں پر بھی کڑھائی ہوتی ہے۔

یہ کڑھائی عموماً پشک کے رنگ یا اس سے مختلف رنگ سے کی جاتی ہے اور بعض اوقات رنگ برنگے دھاگوں کے ساتھ شیشے کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پشک عام طور سے ماؤں کے بعد بیٹیوں کو دی جاتی ہے کیونکہ اس پر ہونے والی ہاتھ کی پیچیدہ کڑھائی خراب نہیں ہوتی۔ اگر پشک کا کپڑا خراب بھی ہوجائے تو اس کڑھائی کو کاٹ کر کسی اور کپڑے پر بھی سیا جاسکتا ہے۔

واحد بزدار ایک بلوچ مؤرخ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 'نوجوان بلوچ لڑکیاں بڑے ہوتے ہوئے یہ ہنر سیکھتی ہیں اور اسے ایک سے دوسری نسل کو منتقل کیا جاتا ہے'۔

ان کے مطابق 'بلوچی کڑھائی مکمل طور پر ہاتھ سے کی جاتی ہے اور یہ بہت ہی باریک اور پیچیدہ ڈیزائن پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کڑھائی میں بنائے جانے والے نقش ونگار مہرگڑھ کی تہذیب کے آثار سے ملنے والے ظروف پر موجود نقوش سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ ظروف تقریباً 11 ہزار سال پرانے تھے اور یہ بولان پاس کے قریب کچھی کے علاقے میں کھدائی کے دوران برآمد ہوئے تھے'۔

عائشہ ایک بلوچی لباس کی آستین پر کڑھائی کرتے ہوئے

کڑھائی شدہ روایتی بلوچی لباس کی قیمت کا دار و مدار اس کے ڈیزائن پر ہوتا ہے۔ روزمرہ استعمال کا لباس 15 ہزار روپے سے شروع ہوتا ہے اور خاص مواقع پر پہنے جانے والا لباس 70 ہزار روپے تک کا ہوسکتا ہے۔ دوسرے دیہاتوں کی خواتین سے ملنے والے آرڈر کے علاوہ کڈن کے ہنرمندوں کے پاس اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے ذریعے تربت، کوئٹہ اور مشرق وسطیٰ سے بھی آرڈر آتے ہیں۔

ان دوچ گیروں کو آرڈر دینے والے انہیں دھاگا اور کپڑا بھی فراہم کرتے ہیں جو کراچی، تربت یا گوادر سے خریدا جاتا ہے۔ کڑھائی ہوجانے کے بعد یا تو صارف خود اسے سیتا ہے یا پھر کسی درزی سے سلواتا ہے۔

ایک دوچ گیر کی آمدن کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ ایک سال یا مہینے میں کتنے کپڑوں پر کڑھائی کرلیتی ہے۔ اوسطاً ایک دوچ گیر مہینے میں ایک لباس پر کڑھائی مکمل کرلیتی ہے جس کی قیمت تقریباً 30 ہزار روپے ہوتی ہے۔ اگر صرف آستینوں یا جیبوں پر کڑھائی کرنی ہو تو ایک دوچ گیر کی کوشش ہوتی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ آرڈر ملیں تاکہ انہیں خاطر خواہ آمدن ہوسکے۔

42 سالہ راشدہ نے اپنی والدہ سے کڑھائی کرنا سیکھی تھی۔ وہ کڑھائی کے ذریعے ہر مہینے 15 ہزار روپے کما لیتی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ 'میرے شوہر کی کمائی ہمارے پیٹ پالنے اور بچوں کی تعلیم کے اخراجات کے لیے پوری نہیں پڑتی یوں میں نے کچھ اضافی آمدن کے لیے کڑھائی شروع کی تھی'۔ راشدہ چاہتی ہیں کہ ان کی چھوٹی بیٹی حلیمہ جو اسکول جاتی ہے وہ اپنی تعلیم مکمل کرے۔ وہ اپنی بڑی بیٹی کی طرح اس کی جلد شادی نہیں کرنا چاہتیں۔

انہوں نے بتایا کہ 'میں پڑھی لکھی نہیں ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ تعلیم کے بغیر کوئی بھی اس دنیا میں مقابلہ نہیں کرسکتا۔ حلیمہ کڑھائی کرنا سیکھ رہی ہے لیکن اسے صرف اس کے اپنے کپڑوں پر کڑھائی کرنے کی اجازت ہے کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ اس کی توجہ پڑھائی پر رہے'۔

35 سالہ عائشہ کے شوہر ایک دیہاڑی دار مزدور ہیں جو ماہانہ تقریباً 16 ہزار روپے کماتے ہیں۔ عائشہ نے بتایا کہ 'جب ان کے پاس کام نہیں ہوتا تو میری آمدن سے ہی گھر چلتا ہے'۔ اسی طرح 28 سالہ فہمیدہ بھی اپنی شادی سے قبل گھریلو اخراجات اور اپنے چھوٹے بھائی کی تعلیم کے لیے اپنے والد کی آمدن میں حصہ ڈالتی تھیں۔

انہوں نے اپنے کمسن بچے کے ساتھ کھیلتے ہوئے ہمیں بتایا کہ 'بعض اوقات میں ہنگامی نوعیت کی طبّی ضرورت میں دیگر خواتین سے کچھ رقم ادھار لے لیتی تھی اور بدلے میں انہیں ایک لباس پر کڑھائی کرکے دے دیتی تھی'۔ انہوں نے مزید بتایا کہ 'میں اب بھی ایک دوچ گیر کے طور پر کام کرتی ہوں کیونکہ اس طرح میں اپنی ضرورت کی کوئی بھی چیز خریدنے میں آزاد ہوتی ہوں اور یہ میرے لیے اطمینان کا باعث ہوتا ہے'۔

بلوچی کڑھائی کو عالمی سطح پر بھی سراہا جاتا ہے۔ ایک برطانوی گلوکار اور لکھاری فلوموریسی کے ساتھ ساتھ شبانہ اعظمی اور کنگنا رناوت جیسی کچھ بولی وڈ اداکاراؤں کی بھی بلوچی لباس میں تصاویر موجود ہیں۔ 2020ء میں ایک نوجوان بلوچ کینیڈین خاتون حلیمہ حوسن زہی کی پشک میں ملبوس تصاویر وائرل ہوئیں جس میں وہ اپنی بہن سارہ کے ساتھ باسکٹ بال کھیل رہی تھیں۔ ان تصاویر کے بعد ووگ میگزین نے بھی ان کا انٹرویو کیا۔

ہانی بلوچ بحرین میں مقیم ایک فنکار ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 'ہمیں ان فنکاروں اور ان کے فن کو مزید فروغ دینا چاہیے۔ میں نے بلوچی کڑھائی کے ڈیزائن ایچ اینڈ ایم اور زارا کے کپڑوں پر بھی دیکھے ہیں لیکن وہاں اس ڈیزائن، بلوچ ثقافت اور دوچ گیروں کا کوئی حوالہ نہیں تھا۔ ہم اس عمل کو پسے ہوئے طبقے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے منافع کمانا کہہ سکتے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے ہم نے خود بھی اپنی ثقافت کو فروغ نہیں دیا ہے'۔

واحد بزدار کے مطابق 'یہ بلوچ خواتین بغیر کسی تعلیم یا بہت کم تعلیم کے ساتھ سخت حالات میں اپنے خاندان کی مدد کررہی ہیں اور صدیوں پرانی روایت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں حکومت اور این جی اوز سے ستائش کی ضرورت ہے۔ ان کی صلاحیتوں کے فروغ اور انہیں تکنیکی مدد فراہم کرنے سے نہ صرف اور زیادہ خواتین کو خودمختار بنایا جاسکے گا بلکہ اس سے بلوچ ثقافت کو بھی ترقی دی جاسکے گی'۔

یہ مضمون 07 نومبر 2021ء کو ڈان اخبار کے ای او ایس میگزین میں شائع ہوا۔

لکھاری ایک فری لانس فیچر اسٹوری رائٹر ہیں۔

طلباء سیاست اور بلوچ طلباء

گورگین بلوچ

ٹراٹسکی کا کہنا تھا کہ طلباء درختوں کی بلند ٹہنیوں کی طرح ہوتے ہیں جو آنے والے انقلابی طوفانوں میں سب سے پہلے جھولنے لگتی ہیں اور انقلابی ہواؤں کی آمد کا پیغام دیتے ہیں۔ طلبہ اپنی نسبتاً آزاد کیفیت میں سماجی حرارات کا بیرومیٹر ہوتے ہیں اور معاشرے کی تہوں میں چلنے والی کیفیات اور عوامل کی غمازی کرتے ہیں۔

دنیا کے جمہوری ملکوں میں طلباء سیاست کو سیاست کی نرسری کہا جاتا ہے جہاں پڑھے لکھے ماحول میں اپنی بات کرنا اور خدشات کا کھل کر اظہار کرنا تعلیمی اداروں کا خاصہ ہوتا ہے، تاہم پاکستان میں طلبہ کے لیے اپنے حقوق کی بات کرنا آسان نہیں۔ ملک میں اسٹوڈنٹ یونینز پر پابندی تو جنرل ضیاء الحق کے آمرانہ دور میں لگی لیکن اس کے بعد آنے والی جمہوری حکومتیں بھی دعووں کے باوجود طلباء تنظیموں کو بحال نہ کر پائیں۔

جمہوریت سے وابستہ طبقہ نوجوانوں کے حقوق و مؤثر قانون سازی کی بات تو کرتا ہے مگر عملاً اقتدار ملنے پر تمام وعدے بھول جاتا ہے۔ پاکستان میں شفاف جمہوری استحکام کی راہ میں بڑی رکاوٹ گذشتہ 35 بسال سے طلباء یونینز پر عائد جبری پابندی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ملک کی تمام سیاسی جماعتیں طلبہ یونینز کو نوجوانوں کا آئینی حق تسلیم کرتی ہیں لیکن حکومت بنانے کے بعد اس مسئلہ سے پہلو تہی کرتی ہیں۔ 9 فروری 1984 کو پاکستان کے تعلیمی اداروں میں طلباء یونینز پر عائد کی جانیوالی پابندی کے ساتھ ہی تعلیمی اداروں میں طلباء کی نشوونما، بہبود اور صحت مند مباحثے کا کلچر ختم ہو گیا۔ اس غیر آئینی اقدام کے باعث ہم تعلیمی اداروں میں تعلیم کے ساتھ ساتھ برتیب اور نوجوانوں کی غیر تدریسی سرگرمیوں سے محرومی کا بحیثیت قوم نقصان اٹھا رہے ہیں۔

ڈکٹیٹر ضیاء الحق کی جانب سے لگائی جانیوالی پابندی کو جمہوریت کے چیمپیئن حکمرانوں سے وعدوں کے باوجود بھی ختم نہ کیا۔ 1970 سے 1980 کی دو دہائیوں میں طلباء سرکل کے پلیٹ فارم سے سیاست، سائنس، طب، انجینئرنگ، ادب، صحافت، سمیت ہر شعبے میں ملک کو بہترین قیادت اور غیر معمولی لوگ میسر آئے۔ طلباء سیاسی کی تربیت گاہوں سے نکلنے والے افراد نے دنیا بھر میں اپنی صلاحیتوں کا نہ صرف لوہا منوایا بلکہ ملک یک لیے گراں قدر خدمات بھی سرانجام دیں۔ طلباء پر محض سیاست کرنے کا الزام عائد کیا جاتا ہے اور ان طلبا کی سیاست میں شمولیت مناسب نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن انہیں یونینز کے پلیٹ فارم سے اپنے عہد کے سیاسی، فلسفیانہ اور سائنسی موضوعات اور نظریات پر صحت مندانہ مباحثے، آرٹ اور کھیلوں کے مقابلہ جات، ادبی مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ الغرض، طلباء اپنے عہد کی دانش سے جڑے رہتے تھے۔ انہیں ادراک ہوتا تھا کہ عالمی ممالک کے درمیان کیا تضادات اور اختلافات چل رہے ہیں۔ علاقائی اور ملکی سیاست میں کیا صف بندی ہے۔ اپنے حقوق کے لیے کیسے آواز بلند کرنی ہے۔ ان کے درمیان ہر وقت مقابلے کی صلاحیت اور قیادت کرنے کا جو ہر موجود ہوتا تھا۔ وہ اختلافات کو گفتگو کے کلچر سے باآسانی حل کرنے کا ہنر رکھتے تھے لیکن آج تعلیمی اداروں میں موجود طلبہ کی بڑی تعداد مذکورہ سرگرمیوں میں شامل نہیں ہیں۔ تعلیمی اداروں میں طلبا سیاست پر پابندی کے بعد تعلیمی ادارے بالخصوص جامعات کی فضا میں بے چینی، انتہا پسندی، عدم برداشت، لسانیت صوبائیت پر مبنی پر تشدد رویوں نے جنم لیا ہے۔

دنیا کی تمام طلباء تحریکوں میں بلوچ طلبا تحریک سرفہرست ہے اور اپنی ایک الگ جگہ رکھتی ہے جہاں طلبا نے مختلف ادوار میں بہت سی اذیتیں سہی ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے نقش قدم پر چلنے والے جنرل مشرف کے دور میں بلوچ طالب علموں کو اغوا کیا گیا، بلوچ طالب علموں کے سرکلوں پر حملے کیے گئے، بہت سے طلباء قتل ہوئے۔ اسی کا تسلسل آج تک جاری و ساری ہے۔ اس وقت بلوچستان یونیورسٹی کے داخلی راستے پر جہاں طلباء و طالبات دھرنا دیے بیٹھے ہیں وہاں مختلف بینرز اور مطالعہ پاکستان کے لاپتہ طالع علم سہیل بلوچ اور فصیح بلوچ کی تصویریں آویزاں ہیں۔ طلباء کا دعویٰ ہے کہ انہیں نومبر کے شروع میں یونیورسٹی ہاسٹل سے لاپتہ کیا گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ 2018 اور 2019 میں بلوچستان یونیورسٹی میں اسکینڈل کے وقت جب کورٹ نے اس وقت کے وائس چانسلر سے سوال کیا کہ کیمرے کیوں لگائے گئے ہیں اس کا جواب تھا جسی سیکیورٹی کا مسئلہ ہے اس لیے ہم نے خفیہ کیمرے لگائے ہیں۔ جب سہیل بلوچ اور فصیح بلوچ کو اغوا کیا جاتا ہے تو بدقسمتی سیان کا کیمروں کا رخ پہلے کی طرح لیٹرینوں اور فیمیل طالبات کے آنے جانے والے راستوں کی طرف ہوتا ہے۔

بلوچستان میں گذشتہ کئی دہائیوں سے طلبا سیاست پر پابندی ہے کبھی کبھار طلبا رہنماؤں کے لیے یونیورسٹی کا مرکزی دروازہ بند کیا جاتا ہے کبھی انہیں مختلف حربوں سے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔ تعلیمی ادارے کے سربراہ سے لے کر نیچے تک سیاسی چلتی رہتی ہے جب طالب علم سیاست کی بات کرتا ہے سیاسی عمل اور علمی آگہی پھیلانا شروع کرتا ہے۔ اپنی حق کی بات کرتا ہے تو اس کے لیے قدغن ہے، یہاں پر سیاست گناہ، سیاست گالی ہے۔ بھئی طلبا سیاست سے اتنا خوف کیوں؟

یونیورسٹی بلوچستان کے حالیہ اسکینڈل سے بہت سی طالبات نے اپنی ڈگری ادھوری چھوڑ کر گھروں کو واپس لوٹے، اس وقت کے کرپٹ وی سی کو اضافی چارج دے کر لاہور بھیجا گیا۔ بلوچ اور پٹھان طالبات کی عزت کو بیچ کر موصوف کو لاہور یونیورسٹی میں ایک اور پوزیشن پر براجمان کیا گیا۔

اس دھرنے پر بیٹھے بی ایس او پجار کے مرکزی چیئرمین زبیر بلوچ کا کہنا ہے کہ سب سے بڑا مسئلہ یونیورسٹی کے احاطے میں سیکیورٹی ادارے کے ایک کیمپ کی موجودگی ہے جس سے تمام طلبا و طالبات عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ ان کے مطابق اس وقت یونیورسٹی کیمپس میں 146 کیمرے لگے ہوئے اور 290 کے قریب کیمرے یونیورسٹی ہاسٹلز گارڈن لائبریری کینٹین اور مختلف جگہوں پر لگائے گئے ہیں۔ نہ جانے اپنے کیمرے کس کو واچ کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کیمروں کے سامنے سے طلبا کو اغوا کیا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہائی کورٹ کا ایک فیصلہ موجود ہے کہ یونیورسٹی سے سیکیورٹی کو نکالا جائے مگر اب تک 300 کے قریب نفری یونیورسٹی میں موجود ہے جس سے تعلیمی ماحول خراب ہوتا جا رہا ہے۔ مگر اب حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ طلبا سینکڑوں ریاستی اداروں کے اہلکاروں اور لاکھوں خفیہ کیمروں کے سامنے سے لاپتہ ہو رہے ہیں مگر یہاں بھی یونیورسٹی انتظامیہ کے مطابق جی اس وقت لوڈشیڈنگ تھی۔

دنیا کی تمام بڑی مزاحمتی تحریکیں طلبہ کی شمولیت سے ہی کامیاب ہوئی ہیں اس لیے جب طالب علم 'سرفروشی اور بازوئے قاتل' کی بات کرنے لگیں تو حکومت کو ان کے مطالبات پر گہری اور سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اگر طلبہ کے مطالبات پر توجہ نہ دی گئی تو ملک میں گھمبیر سیاسی صورت حال پیدا ہونے کا خدشہ سروں پر منڈلاتا رہے گا۔

آج بلوچ طلبا تحریک 70 کی دہائی کے بعد متحرک نظر آ رہی ہے۔ اب بلوچ طلبا کے لیے موقع ہے کہ وہ اپنی اس تحریک کو لے کر کہاں تک کامیاب ہونگے۔ اب ان کے کندھوں پر صرف کتاب کا بوجھ نہیں بلکہ قومی بوجھ کو لے کر ایک ساتھ بلاتفریق بڑھنا ہوگا۔

فیمیسائیڈ کی تفتیش: جی آئی جے این کی گائیڈ

نکولیا اپاسٹولو

فیمیسائیڈ، عورتوں کا عورت ہونے کے ناطے قتل ہے جو کہ ایک عالمی مسئلہ ہے۔ اقوام متحدہ کے حالیہ اعداد و شمار کے مطابق، 50 ہزار کے قریب عورتوں کا قتل ان کے قریبی پارٹنر اور دیگر فیملی ممبران کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ یہ روزانہ 137 جانوں کا کھونا ہے۔ یہ نمبر صرف ان عورتون کا شمار کرتا ہے جو قریبی پارٹنر اور فیملی ممبران کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں اور ان کو شمار نہیں کرتا جو کہ مسلح تصادم یا پھر جہیز کی خاطر ماری جاتی ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ایسے واقعات کم رپورٹ ہوتے ہیں کیونکہ دنیا بھر کی کئی حکومتیں فیمیسائیڈ کو ایک مختلف جرم کے طور پر رپورٹ نہیں کرتیں۔

لیکن ان نمبرز کے باوجود یہ واقعات رپورٹ نہیں ہوتے۔ یہ گائیڈ صحافیوں کی مدد کے لیے ہے۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ فیمیسائیڈ کیا ہے، ڈھونڈیں اور سمجھیں کہ کون سا ڈیٹا دستیاب ہے اور کن ماہرین کو انٹرویو کے لیے چنا جائے یہ اس کی تجاویز دیتا ہے:

ایشیا وہ علاقہ ہے جہاں پر سب سے زیادہ فیمیسائڈ کے واقعات قریبی پارٹنر اور فیملی ممبران کے ہاتھوں پیش آتے ہیں جس میں اقوام متحدہ کی حالیہ رپورٹ کے مطابق 20,000 جنس پر مبنی قتل ہوئے تھے جس کے بعد افریقہ (19,000)، امریکا (8000) اور یورپ (3000) شامل ہیں۔

لیکن اگر فیمیسائیڈ کو آبادی کے حساب سے دیکھا جائے، وہ جگہ جہاں عورتوں کا مارے جانے کا سب سے زیاہ خطرہ ہے وہ افریقہ ہے۔ فیمیسائیڈ کا ریٹ ایک لاکھ عورتوں میں 3 ہے۔ امریکا میں ایک لاکھ عورتوں میں 1.6، جس کے بعد اوشینیا ہے 3.1 پر، ایشیا ہے 9.0 پر آخر میں یورپ ہے 7.0 پر۔

برطانیہ سے نمبیا تک اور امریکہ سے ترکی تک صنف پر مبنی تشدد کے خلاف مظاہرے سالوں سے بڑھ رہے ہیں، جو کہ زیادہ تر پریشان کن کیس کو نمایاں کر کے ہوتے ہیں۔

فیمیسائیڈ کی وضاحت

یہ سمجھنے کے لیے کہ فیمیسائڈ کا ڈیٹا پڑھا کیسے جاتا ہے، اس کے لیے آپ پہلے یہ جانئے کہ وہ لوگ جو فیمیسائیڈ کا ڈیٹا جمع کرتے ہیں وہ اس کے معنی کی وضاحت کیسے کرتے ہیں۔

جبکہ اس کی کئی معنوں میں وضاحت کی گئی ہے، مختلف بین الاقوامی ادارے اس پر متفق ہیں کہ یہ عورتوں کا عورت ہونے کی بنا پر قتل کرنا ہے۔

2017 میں، جو اقوام متحدہ کے پاس موجود سب سے حالیہ اعداد و شمار ہیں، 30,000 سے زائد عورتیں اپنے قریبی پارٹنر کے ہاتھوں ماری جاتی ہیں۔ یہ فیمیسائڈ کے قتلوں میں سے 60 فیصد ہے۔ دوسرا بڑا مجرموں کا گروپ فیملی کے مرد ہوتے ہیں، شاید کے عورت کے والد، چچا، ماموں یا بھائی جن کو خاتون رشتہ دار کی مدد ہوتی ہے۔

ورلڈ ہیلتھ آرگنائیزیشن کے مطابق، فیمیسائیڈ ایک مرد کے قتل سے مختلف ہوتی ہے جیسے کہ زیادہ تر کیس میں،'' گھر میں ہونے والی بدسلوکی شامل ہوتی ہے، ڈرانا دھمکانا، جنسی زیادتی اور ایسے حالات ہوتے ہیں جہاں عورتوں کے پاس اپن پارٹنر کے مقابلے میں کم طاقت اور وسائل ہوتے ہیں۔

یورپین انسٹیٹیوٹ فار جینڈر رایکوالٹی فیمیسائڈ کو مندرجہ ذیل طریقے بیان کرتی ہے:

- عورت کا قتل ہونا ایک قریبی پارٹنر، موجودہ یا سابقہ شوہر یا بوائے فرینڈ کے تشدد کے نتیجے میں۔
- عورت سے نفرت اور اذیت دے کر قتل
- غیرت کے نام پر عورتوں اور لڑکیوں کو قتل کرنا
- مسلح تصادم میں عورتوں اور لڑکیوں کو نشانہ بنانا۔
- جہیز سے متعلق عورتوں کا قتل
- عورتوں اور لڑکیوں کو قتل کرنا ان کی جنسی واقفیت اور صنفی شناخت کی وجہ سے
- مقامی عورتوں اور لڑکیوں کو انکی صنف کی وجہ سے قتل کرنا
- بچیوں اور ان کی پیدائش پر مار دینا یا پھر صنفی طور پر بچوں کو جنم نہ لینے دینا
- ستر کو مسخ کر کے قتل کرنا
- جادوگری کے الزام لگانا
- دیگر فیمیسائی گینگ اور منظم جرائم اور ڈرگ ڈیلرز، انسانی اسمگلنگ اور چھوٹے اسلحہ کے پھیلاؤ سے جڑے ہوتے ہیں۔

ڈیٹا کہاں ڈھونڈیں

یونائیٹڈ نیشنز آفس آن ڈرگس اینڈ کرائم (یو ان او ڈی سی) عالمی ڈیٹا شائع کرتا ہے۔ حالیہ ڈیٹا 2019 کا دستیاب ہے۔ دا یونائیٹڈ نیشنز ایکونومک کمیشن فور لیٹن امریکہ اینڈ دا کیریبین (ای سی ایل اے سی۔ سی پی اے ایل کا ہسپانوی مخفف) اور اسکی جینڈر رایکوالٹی آبسرویٹری اعداد و شمار شایع کرتی ہے صنفی طور پر ہونے والے قتل کا مجموعہ

فیمیسائیڈ واچ: ایک مشترکہ پروجیکٹ یو این اسٹڈیز اسوسیشن (یو این ایس اے) گلوبل نیٹ ورک اور یو این ایس

اے وینا کی فیمیسائیڈ ٹیم عمدہ معیار کی معلومات فراہم کرتی ہے۔

اس ملک کی قومی فیمیسائیڈ ابزرویشن سینٹر جس کی آپ تفتیش کر رہے ہوں۔

پولیس

کارکنان جو ڈیٹا جمع کرتے ہیں۔

ڈیٹا کو سمجھنا

ماہرین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ زیادہ تر نمبر جو ہیں جو اندازے سے کم ہوتے ہیں کیونکہ ہزاروں واقعات ہوتے ہیں اور فیمیسائیڈ میں شمار نہیں کیے جاتے۔

ڈیٹا کے ساتھ کچھ مسائل: فیمیسائیڈ الگ سے رپورٹ نہیں ہوتے، جب جرائم ریکارڈ کئے جاتے ہیں تو جنس کو نوٹ نہیں کیا جاتا، دیہاتی علاقوں میں جرائم رپورٹ نہیں ہوتے، اور جب تک ریکارڈ پولیس کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچتے ہیں، یا تو وہ کھو دیئے جاتے ہیں جب غلط طریقے سے ہینڈل کئے جاتے ہیں۔ کچھ ممالک میں عورتوں کا قتل رپورٹ بھی نہیں کیا جاتا کیونکہ اسکو جرم نہیں سمجھا جاتا۔

قومی ریٹ کا موازنہ کرنے کے لئے یہ دیکھیں کہ اس جرم کی مجرمانہ حیثیت کیا ہے اور یہ ملک کے قانونی سسٹم میں ریکارڈ کیسے کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، کچھ ممالک میں فیمیسائیڈ کو ستر کو مسخ کرنے سے ہونے والی اموات میں شمار کیا جاتا ہے، یا پھر تصادم میں صنفی بنیاد پر عورتوں اور بچیوں کے قتل کو۔

کچھ ممالک فیمیسائیڈ کے لفظ کا استعمال نہیں کرتے تو سٹینڈرڈ لفظ کے لیئے انٹرنیشنل کلاسیفیکیشن آف کرئم آف سٹیٹیسٹیکل پرپس (آئی سی سی ایس کلاسیفیکیشن) دیکھیں: مظلوم عورتیں جن کو قریبی پارٹنر یا فیملی ممبران قتل کر دیتے ہیں۔

اپنی تعلیم خود کریں کہ ڈیٹا جمع کرنے کا سسٹم کتنا اچھا یا برا ہے۔ سسٹم جو اچھے کام کرتے ہیں، انکو پولیس آفسر اور میڈیکل پیشہ ورانہ لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے، اور ایسا قابل اعتماد ڈیٹا ہو جو کہ قتل کی اقسام، جرم کرنے والے اور ہونے

ولاے کا جنس، اور اسکے ساتھ ساتھ دونوں کے تعلق اور مقصد کو ریکارڈ کر سکے۔

خطرے کے عناصر

کچھ ماہرین کا کہنا ہے کہ فیمیسائیڈ کو روکا جا سکتا ہے اور اس صنف پر مبنی وعورتوں کا قتل اس سے پہلے ہونے والے تشدد کی آخری حد ہوتا ہے، اس وجہ سیضروری ہے کہ صنفی تشدد کے اعداد و شمار کو بھی دیکھا جائے۔

مندرجہ ذیل ڈبلیو ایچ او کی طرف سے ایسے خطرے کے عناصر ہیں جو کہ فیمیسائیڈ کو فروغ دیتے ہیں۔

- ایسے ممالک میں رہنا جہاں پر صنفی غیر مساوی ہے
- ایسی جگہ پر رہنا جہاں پر حکومت کی صحت اور تعلیم پر اخراجات کم ہو• اور دیگر خطرے کے عناصر یہ ہیں:
- مرد پارٹنر کا بے روزگار ہونا
- پستول کا اختیار ہونا (خاص کر کے امریکہ اور جنوبی افریقہ میں اور ٹسادمی اور تصادم کے بعد ہونے والے ممالک) •اسلحہ سے جان سے مارنے کی دھمکیاں• جبری طور پر جنسی تعلق کرنا
- مرد پارٹنر کا شراب اور نشہ کے استعمال• مرد پارٹنر کی ذہنی صحت خراب ہونا خاص کر کے فیمیسائیڈ۔خودکشی کے کیسز میں۔• پہلے سے قریبی پارٹنر پر تشدد
- خطرے کے عناصر جس سے عورتیں فیمیسائیڈ کا شکار ہوتی ہیں: •حمل• زیادتی کرنے والے کا تشدد ہونا• پہلی والے تعلق سے بچہ ہونا (یعنی ظلم کرنے والے کا وہ بچہ اپنا نہ ہونا)• پارٹنر کی طرف سے فاصلہ ہونا
- تسدد والے تعلقات کو چھوڑ دینا

کیس سٹڈیز

ڈاان کاونٹ: ٹورنٹو ائز میڈیا نے یو کے میں فیمیسائیڈ پر ایک قابل ذکر سیریز کی تھی، جس میں انہوں نے مختلف پولیس اسٹیشنز میں سے عوامی ریکارڈ پر ڈیٹا وژیولائزیشن بنائی تھیں۔انہوں نے ایسے کیسز پر توجہ دی تھی جہاں پر پیچھے رہ جانے فیملی اور دوست کو خدشہ ہوتا تھا کہ پارٹنر یا سابقہ پارٹنر کا اس کیس سے تعلق ہے۔انکو پتا چلا کہ کسی کو بھی نہیں خبر کہ یہ کتنا بڑا مسئلہ ہے کیونکہ اس میں سے کئی قتل سرکاری اعداد و شمار کا حصہ نہیں بن پاتے۔

ٹو وکٹمز: وہ عورتیں جنہوں نے قرنطینہ میں مدد مانگی لیکن ان کے ساتھ لاتعلقی کا اظہار (ہسپانی میں): لیٹن امریکی سینٹی نیلہ کووڈ 19 کی جانب سے باہمی تعاون سے کیا جانے والا صحافتی الائینس پروجیکٹ کے ذریعے معلوم ہوا کہ وبا میں عورتیں قریبی تعلقات، جسم فروشی اور سرکاری اہلکاروں کا کیسے شکار ہوئیں۔پچھلے سات سالوں میں دو ہزار سے ذائد عورتیں مردوں کے ہاتھوں قتل ہوئیں (ترکی میں):

ساہرہ اٹیلہ کی طرف سے زبردست وژیول جس میں وہ تشدد کا شکار ترکی کی عورتوں اور انکے کیسز کی تفصیل کا تبصرہ کرتی ہیں۔لوکل میڈیا کے 59 دن۔مردوں کے تشدد کو کیسے دکھایا گیا، سیربین الکیس کی طرف سے۔ جو کے ڈیٹا وژیلوئیلائزیشن، میپس، اور ڈیٹا اسکریپنگ کو استعمال کرتے ہوئے ملک میں ہونے والے جنوری اور فروری 2021 میں فیمیسائیڈ ڈیٹا جمع کرتے ہیں۔

سیہر نیم: جنوبی افریقہ میں فیمیسائیڈ اپی ڈیمک کے چہرے۔میڈیا ہیک اور بھکیسیا نے فیمیسائیڈ پر ایک ڈیٹا اسٹوری شائع کی جس میں انہوں نے یہ نمایاں کیا کہ میڈیا ان اسٹوریز کو کتنا نظر انداز کرتا ہے اور انکو یہ معلوم ہوا کہ 2018 سے 2020 میں قتل ہونے والی عورتوں میں سے صرف چار فیصد کو لوکل اور مقامی خبر کے طور پر فیچر کیا گیا۔جنوبی افریقہ میں فیمیسائیڈ کا ریٹ بہت زیادہ ہے جہاں عام طور پر روزانہ ے عورتیں قریبی پارٹنر یا فیملی ممبر کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں۔ٹیم نے ایک میپ بنایا ان علاقوں کو نمایاں کیا جہاں پر سب سے زیادہ فیمیسائیڈ ہوئے تھے۔

وی آر داڈیڈ: میکلین، جو کہ کینیڈا کا حالات حاضرہ کا میگزین ہے اس کی قریبی پارٹنر کی تشدد پر مہینہ بھر کی تفتیش سے یہ سامنے آیا کہ نظام، سیاستدان اور لوگوں نے عورتوں اور لڑکیاں کو کیسے ناکام کیا ہے۔اسٹوری یہ نمایاں کرتی ہے کہ کیسے مختلف سماجی اقتصادی پس منظر سے تعلق رکھنے والی عورتوں پر انکے گھروں میں تشدد اور قتل کیا جاتا ہے۔اس کے سماجی پھیلاؤ خاص کر کے بچوں کا شکار ہونے کی وجہ سے میکلین اس قریبی پارٹنر کے تشدد کی وضاحت کرتے ہوئے''اپیڈیمک'' کی ٹرم استعمال کرتے ہیں۔

ریڈ ریور وومن: بی بی سی کی ریسرچ کے مقامی علاقوں سے تعلق رکھنے والی عورتیں کینیڈین عورتوں سے چار گناہ زیادہ قتل ہوسکتی ہیں۔گارڈین کا سنڈے سسٹر پیپر، دا آبزرور، ایک مہم چلا رہا ہے جس کا نام ہے اینڈ فیمیسائیڈ، اس میں سے ایک اسٹوری ہے جس میں 60 سال سے اوپر کی عورتوں کے قتل پر توجہ دی گئی ہے۔انکو یہ معلوم ہوا کہ کئی کیسز کو حادثوں کی بنیاد پر برطرف کر دیا گیا۔ڈیٹا کے مطابق، شکار ہونے والی عورتوں میں سے آدھی اپنے بیٹوں، پوتوں اور رشتہ داروں کے ہاتھوں ماری جاتی ہیں۔

میکسیکس آف آ کرئم فورٹولڈ (فرانسیسی میں): لے مونڈے کی ایک سالہ تفتیشی اور ملٹی میڈیا پروجیکٹ 160 فرانسیسی عورتوں کے قتل پر۔

(نکولیا اپاسٹولو جی آئی جی این (گلوبل انویسٹیگیٹو جرنلزم نیٹ ورک) کے ریسورس سینٹر کی ڈائریکٹر ہیں۔پچھلے 15 سالوں سے، نکولیا 100 سے زائد میڈیا آوٹ لیٹس کے لیے یونان، قبرص اور ترکی سے ڈاکومینٹری تیار کر رہی ہیں، بشمول بی بی سی، ایسوسی ایٹڈ پریس، اے جے پلس، نیویارک ٹائمز، دی نیو ہیومینیٹیرین، پی بی ایس، ڈوئچے ویلے، اور الجزیرہ۔)

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔

جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

'''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر یا انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تا کہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،
نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔پتہ:

www.hrcp-web.org

قتل ہونے والے محمد زادہ کو اپنی جان کو لاحق خطرات کا علم تھا

ملاکنڈ خیبر پختونخوا کے ضلع ملاکنڈ میں منشیات کے خلاف مہم سوشل میڈیا پر مہم چلانے والے محمد زادہ کو پیر کی شام افراد نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ضلع ملاکنڈ کے تھانہ سخاکوٹ پولیس کا کہنا ہے کہ مقتول محمد زادہ کے بھائی عبدالجلال نے پیر کی رات پولیس کو بتایا کہ انہیں کسی نے فون پر اطلاع دی کہ بازار میں ان کے بھائی کو فائرنگ کر کے قتل کیا گیا ہے۔سخاکوٹ پولیس اسٹیشن کے محرر گلاب غنی نے بتایا کہ جائے وقوعہ سے انہیں اطلاع ملی کہ دو موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کر کے محمد زادہ کو قتل کیا ہے جبکہ انکے بھائی کے مطابق انکی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں تھی۔مقتول محمد زادہ کی ایک ویڈیو سوشل میڈیا پر گردش کر رہی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے منشیات کے خلاف مہم اس وقت چلانا شروع کر دی جبکہ انکے دو خالہ زاد بھائی منشیات عادی ہونے لگے اور اس وجہ سے انکے خاندان مالی اور ذہنی طور پر شدید متاثر ہوئے۔محمد زادہ مزید کہتے ہیں کہ جب انہوں نے منشیات کی سمگلنگ کے خلاف آواز اُٹھانا شروع کی تو سیکورٹی فورسز کے اہلکار انہیں مجبور کرتے کہ انہیں منشیات فروشوں کی شناخت بتادے۔ویڈیو میں کہتے ہیں "میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا، منشیات کے خلاف کام کرنے والے ادارے موجود ہیں۔ یہاں پر خفیہ ادارے سپیشل برانچ اور آئی بی بھی موجود ہے۔کیا وہ اس بات کا پتہ نہیں لگا سکتے کہ کون منشیات فروخت کر رہے ہیں''؟ایک دوسری ویڈیو میں کھلی کچہری کے دوران محمد زادہ کہتے ہیں کہ یہاں پر جو بندہ جرائم پیشہ اور منشیات فروشوں کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے انہیں دھمکیاں دی جاتی ہیں جبکہ جرائم پیشہ افراد ڈپٹی کمشنر اور اسسٹنٹ کمشنر کے دفاتر میں بیٹھے ہوتے ہیں۔انہوں نے کھلی کچہری کے دوران مطالبہ کیا تھا کہ انہیں منشیات فروشوں کی جانب سے جان سے مارنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں لہذا انہیں تحفظ دیا جائے۔محمد زادہ نے 12 اکتوبر کو اپنی فیس بک پوسٹ میں اپنے خلاف قتل کے منصوبے میں مبینہ طور پر ملوث افراد کے بارے میں بتایا تھا ''اگر انہیں کچھ ہوا تو میری اور میری خاندان کی تمام دعویداری ڈپٹی کمشنر الطاف شیخ صاحب پر ہوگی''۔محمد زادہ کے بہیمانہ قتل کے خلاف منگل کے صبح سخاکوٹ اور دوپہر کو پشاور پریس کلب کے سامنے سول سوسائٹی کی جانب سے احتجاجی مظاہرہ کیا گیا مظاہرین مطالبہ کر رہے تھے کہ محمد زادہ کے قتل میں ملوث افراد کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے۔محمد زادہ کے قتل کے بعد ممبر قومی اسمبلی کے رکن جنید اکبر نے ایک خط کے ذریعے خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ محمود خان سے واقعے کی تحقیقات کیلئے جوڈیشل انکوائری کا مطالبہ کیا۔خط میں کہا گیا کہ مقامی انتظامیہ کی زیر نگرانی قتل کے واقعے کی شفاف تحقیقات نہیں ہو سکتی جس پر وزیر اعلیٰ محمود خان نے ایکشن لیتے ہوئے ڈپٹی کمشنر الطاف احمد شیخ اور اسسٹنٹ کمشنر فواد خٹک کو عہدے سے فارغ کر دیا۔وزیر اعلیٰ محمود خان نے اپنی ٹویٹر پر لکھا ہے کہ انہوں نے ڈپٹی کمشنر اور اسسٹنٹ کمشنر کو اپنے عہدوں سے فارغ کر کے انکوائری کا حکم دیا ہے۔مظاہرے میں موجود انسانی حقوق کی کارکن شہنام خان نے بتایا کہ منشیات فروشوں کے خلاف آواز اُٹھانے والے افراد کو قتل کرنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ منشیات فروشوں کے ساتھ ضلعی انتظامیہ ملی ہوئی ہے۔انہوں نے کہا" یہ انتہائی شرم کی بات ہے کہ ایک بندہ پہلے ہی سے آپکو اپنے قتل کے بارے میں آگاہ کرے اور پھر بھی آپ انہیں تحفظ نہیں دے رہے ہو تو عوام یہ بات تسلیم کریں گے کہ ضلعی انتظامیہ منشیات فروشوں کی سرپرستی کر رہی ہے''۔شہنام کے مطابق مقتول کی نماز جنازہ صبح 11 بجے طے ہو چکی تھی مگر عوام نے قاتلوں کی عدم گرفتاری کے خلاف مقتول کو دفن کرنے سے انکار کیا، ذرائع کے مطابق رپورٹ فائل ہونے تک محمد زادہ کی نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی ہے۔پاکستان میں صحافیوں کی حقوق پر کام کرنے والے تنظیم فریڈم نیٹ ورک نے اپنی ایک ٹویٹ میں کہا ہے کہ پاکستان میں ایک اور سٹیزن جرنلسٹ محمد زادہ کو نامعلوم افراد نے قتل کر دیا۔ٹویٹ میں میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ واقعے میں ملوث افراد کو فوری طور پر گرفتار کیا جائے۔یاد رہے کہ 8 نومبر کو قومی اسمبلی سے صحافیوں کی تحفظ کیلئے بل بھی منظور کیا گیا ہے جس میں صحافیوں کی قتل، اغواء اور تشدد کو جرم قرار دیا گیا لیکن صحافیوں کی حقوق کی بین الاقوامی تنظیم رپورٹرز ود آؤٹ بارڈر نے رواں سال جاری کردہ اپنی سالانہ رپورٹ میں کہا ہے کہ پاکستان آزادی اظہار کے حوالے سے مزید پانچ درجے نیچے چلا گیا ہے۔

(منظور آفریدی)

گیس و بجلی لوڈشیڈنگ کے خلاف خواتین سڑکوں پر آگئیں

کرک ضلع کرک کے علاقہ صابر آباد میں مقامی خواتین نے گرڈ سٹیشن کے باہر گیس اور بجلی کی لوڈشیڈنگ اور عدم فراہمی کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کرتے ہوئے دھرنا دیا جس کی وجہ سے کرک صابر آباد روڈ پر ٹریفک معطل ہو کر رہ گئی۔جمعرات کے روز ضلع کرک کے علاقہ صابر آباد میں ڈیڑھ دو درجن مقامی خواتین نے گرڈ سٹیشن صابر آباد کے باہر گیس اور بجلی کی عدم فراہمی اور ناروا لوڈشیڈنگ کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا اور دھرنا دے کر کرک صابر آباد سڑک کو ہر قسم کی آمد و رفت کے لئے بند کر دیا۔احتجاجی خواتین کا موقف تھا کہ علاقے میں بجلی ہوتی ہے نہ ہی گیس جس کی وجہ سے گھروں کے چولہے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔احتجاجی خواتین کا مطالبہ تھا کہ علاقہ میں بجلی اور گیس بحال کر کے روزانہ بارہ گھنٹوں تک بجلی فراہم کی جائے۔احتجاجی مظاہرہ اور سڑک بندش کی اطلاع پر ڈپٹی کمشنر کرک تنویر الرحمٰن نے فوری نوٹس لیتے ہوئے مقامی انتظامی و پولیس حکام کو فوری طور پر مظاہرین سے مذاکرات کی ہدایت کر دی جس پر ایڈیشنل اسسٹنٹ کمشنر 1 کرک عبدالقیوم' ڈی ایس پی ہیڈ کوارٹر کرک صنوبر خان اور ایس ڈی او پیسکو کرک احتجاجی خواتین سے مذاکرات کے لئے پہنچ گئے اور مظاہرین سے کامیاب مذاکرات کئے۔اس دوران ایس ڈی او پیسکو کرک نے انتظامی افسروں اور احتجاجی مظاہرین کے رہنماؤں کی موجودگی میں بجلی بحالی کی یقین دہانی کرائی جبکہ ایڈیشنل اسسٹنٹ کمشنر عبدالقیوم نے بھی احتجاجی مظاہرین کے تمام جائز مطالبات تسلیم کر کے فوری طور پر انہیں حل کرانے کی یقین دہانی کرادی جس پر احتجاجی خواتین نے دو دنوں کے لئے مشروط طور پر اپنا احتجاج ختم کر دیا۔مظاہرین کا کہنا تھا کہ اگر دو دنوں کے دوران بجلی 12 گھنٹوں تک بحال نہیں کرائی گئی تو وہ دوبارہ احتجاج کرنے گھروں سے نکلیں گی۔ بعد ازاں خواتین دھرنا ختم کر کے پر امن طور پر منتشر ہو گئیں اور سڑک آمد و رفت کے لئے بحال کر دی گئی۔

(نامہ نگار)

غائب ہونے والے 30 سالہ نوجوان کا ڈھانچہ برآمد

میانوالی تفصیلات کے مطابق افغان کیمپ کوٹ چاندنہ کا رہائشی عبداللہ ستمبر میں اچانک گھر سے غائب ہو گیا اس کے والد حاجی اللہ گل نے تھانہ کالاباغ میں رپورٹ درج کروائی کہ اس کا بیٹا گھر سے کرکٹ کھیلنے نکلا اور واپس نہیں آیا ہر جگہ تلاش کیا کہیں سے بھی کوئی خبر نہیں مل رہی ہماری کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں گیارہ نومبر کو کچھ لوگ چغلان کی پہاڑی پر گئے جو کہ افغان کیمپ کے ساتھ واقع ہے تو وہاں سے ایک انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آیا پولیس کو اطلاع دی گئی، ساتھ چپل اور ٹچ موبائل بھی پڑا تھا سم سے معلوم ہوا کہ یہ عبداللہ والد حاجی اللہ گل ہے پولیس نے نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے اور تفتیش شروع کر دی گئی ہے۔

(محمد رفیق)

دوسوشل ورکرزاور ایک شخص قتل

ملاکنڈ نوجوان سماجی ورکراور لکھاری محمد زادہ آگرہ کو گھر کے سامنے قتل کر دیا گیا، مقتول چند مہینوں سے مسلسل منشیات فروشوں اور دیگر جرائم پیشہ افراد کے خلاف سرگرم عمل تھے۔علاوہ ازیں اکتوبر میں کمشنر کی کھلی کچہری میں مقتول نے تقریر کی تھی جس میں وہ منشیات فروشوں کے خلاف سب حقائق سامنے لائے تھے لیکن افسوس کہ ملاکنڈ لیویز اور دیگر ذمہ داران تو حرکت میں نہیں آئے لیکن منشیات فروشوں کے نیٹ ورک نے ایک بے گناہ نوجوان کو شہید کر دیا گیا۔اس سے قبل ملاکنڈ کے علاقہ گرھی عثمان خیل میں مسلح افراد نے فائرنگ کر کے میڈیکل ٹیکنیشن کو قتل کر دیا تھا، مسلح افراد فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔لیویز زرائع نے بتایا کہ میڈیکل ٹیکنیشن عمرحیات اپنے سٹور میں بیٹھا تھا کہ اس دوران مسلح افراد نے اس پر فائرنگ شروع کر دی جس سے وہ موقع پر جاں بحق ہوا، بعد میں لیویز کی بھاری نفری نے موقع پر پہنچ کر کارروائی شروع کر دی۔مقامی افراد کے مطابق فائرنگ کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔دوسری جانب باڑہ بازار میں نامعلوم مسلح شخص نے فائرنگ کر کے معمر شخص کو قتل کر دیا۔پولیس کے مطابق باڑہ بازار میں خوگہ جان ولد سلطان جان سکنہ شین کمر ضیاء الدین قبیلہ ذخہ خیل بازار میں سودا سلف کی خریداری میں مصروف تھا کہ اس دوران مسلح شخص نے آکر پستول سے اس پر فائرنگ کر دی جس سے وہ شدید زخمی ہوگیا۔واقعے کی اطلاع ملتے ہی باڑہ پولیس موقع پر پہنچ گئی اور اسے طبی امداد کیلئے ہسپتال منتقل کر دیا۔لیکن شدید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ راستے میں ہی دم توڑ گیا۔پولیس نے پوسٹ مارٹم کے بعد نعش ورثاء کے حوالے کر دی اور نامعلوم ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی۔

(نامہ نگار)

گھر کو پولیس کے قبضے سے واگزار کروایا جائے

باڑہ اکاخیل باڑہ اکاخیل میں رہائش پذیر ملکدین خیل کے رہائشی نے مطالبہ کیا ہے کہ ان کے گھر کو پولیس کے قبضے سے واگزار کر کے گھر پر حملہ کرنے والوں کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے۔اس بات کا مطالبہ قبیلہ ملک دین خیل سے

تعلق رکھنے والے امان خان، زیب خان اور گل خان نے باڑہ پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ گزشتہ بیس بائیس سال سے اکاخیل کے علاقہ گڈ ملنگ میں رہائش پذیر ہیں۔ان کی علاقے میں کسی کے ساتھ کسی قسم کا تنازعہ نہیں۔پندرہ نومبر کو پولیس کی وردی میں ملبوس مسلح افراد نے ان کے گھر پر دھاوابول کر حملہ کیا اور خواتین کی بے عزتی کی۔جس کی رپورٹ قریبی چوکی میں کی۔جس پر چوکی سے پولیس اہلکار ہمارے ہمراہ آئے۔اس دوران ملزمان نے پولیس پارٹی پر بھی فائرنگ کی۔انہون نے مزید کہا کہ بعد میں ہم نے باڑہ کے تھانہ میں رپورٹ درج کی۔وہاں سے پولیس نفری نے ملزمان کو گھر کے اندر بند کر کے بعد آزاں گرفتار کر کے انہیں باڑہ حوالات منتقل کیا جبکہ ہمارے گھر کو پولیس نے قبضہ میں لے لیا اور ملزمان کے خلاف معمولی نوعیت کا مقدمہ درج کر دیا گیا۔انہوں نے کہا کہ ہمارے گھر پر ملزمان کی جانب سے حملے کے باوجود پولیس نے ہمارے ہی گھر کو بلا جواز قبضہ کر لیا ہے جس کے بعد ہمارے رہنے کی جگہ نہیں۔انہوں نے چیف جسٹس پشاور ہائی کورٹ اور پولیس کے اعلی حکام مطالبہ کیا کہ ہمارے گھر کو پولیس قبضہ سے واگزار کر کے ملزمان کے خلاف کارروائی کریں۔باڑہ پولیس وردی میں ملبوس 10 مسلح افراد نے ہمارے گھر پر دھاوابول کر میرے اور بیوی بچوں کو مار پیٹ کر گھر سے نکالا اور میرے چچا پر تشدد کر کے زخمی کیا۔ان خیالات کا اظہار ملک دین قوم سے تعلق رکھنے والے حاجی زیب خان نے باڑہ پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کیا۔انکا کہنا تھا کہ 20 سال سے اکاخیل کے علاقے میری گودملنگ میں رہائش پذیر ہیں اور گھر کے سارے ثبوت ہمارے ساتھ پڑے ہیں۔انہوں نے مزید کہا کہ ہم ایس۔ایچ۔او باڑہ کے پاس پہنچ گئے لیکن انہوں نے عارضی طور پر صرف روزنامچے میں درخواست جمع کر کے ایف۔آئی۔آر کاٹنے سے انکار کیا۔حاجی زیب خان آفریدی نے مزید کہا کہ پولیس اہلکاروں نے مسلح لوگوں کو گھر میں نظر بند کر کے محفوظ راستہ دیکر وہاں سے فرار کیا اور ظلم کی انتہاء یہ ہوئی کہ ہم سے اپنا گھر بھی پولیس اہلکاروں نے ضبط کر کے ہمارے گھر والوں کو گھر سے نکال دیا۔حاجی زیب خان آفریدی نے وزیر اعلی اور آئی جی پولیس خیبر پختونخوا سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ملزمان سید خان اور طاؤس خان خلاف سخت کارروائی کی جائے۔پریس کانفرنس کے دیگر شرکاء میں گل خان آفریدی، تاج محمد، محبّ اللہ اور آقان خان موجود تھے۔

(مسعود شاہ)

مبینہ پولیس مقابلے میں ہلاکت کے خلاف مظاہرہ

نوشہروفیروز سکھر پولیس کیجانب سے رند برادری کے شخص لیاقت رند کو مبینہ پولیس مقابلے میں مارنے کے خلاف رند برادری کے سینکڑوں افراد نے قومی شاہراہ پر لاش رکھ کر دھرنا دیا اور سکھر پولیس کیخلاف سخت نعریبازی کی دھرنا کے باعث قومی شاہراہ بند ہونے کے باعث گاڑیوں کی طویل قطاریں لگ گئیں۔مظاہرین نے میڈیا کو بتایا کہ سکھر پولیس نے دو دن قبل ہالانی ہوٹل سے اٹھائے گئے لیاقت رند کو جعلی مقابلے میں قتل کیا۔مظاہرین نے آئی جی سندھ سے مطالبہ کیا کہ مبینہ مقابلہ کر کے لیاقت رند کو قتل کرنے والے سکھر پولیس اہلکاروں کیخلاف کارروائی کریں۔سکھر پولیس نے مبینہ مقابلے میں مارے گئے لیاقت رند کو 29 مقدمات میں مطلوب دیکھایا تھا۔دوسرے واقعہ میں دربیلو لنک روڈ پر دو موٹر سائیکل سوار مسلح افراد نے فائرنگ کر کے کیلے کے مشہور تاجر منور سہاگ کو قتل کر دیا ہے اور فرار ہو گئے واقع کی اطلاع پر پولیس نے پہنچ کر لاش کو اسپتال منتقل کر دیا اور ضروری کارروائی کے بعد لاش ورثہ کے حوالے کر دی پولیس کے مطابق واقع کی تفتیش شروع کر دی ہے جلد ملزمان کو گرفتار کر لیا جائے گا،لاش گھر پہنچنے پر کہرام مچ گیا۔

(الطاف حسین)

عورتوں پر تشدد

بہاولپور بشیراں آباد کی رہائش پذیر زارا زوجہ عاشق کے گھر کمال الدین ولد جمال نامی شخص کی بیٹی آئی۔اُس نے زارا کو کہا کہ میرے ابو نے کہا کہ لائٹ بند کرو۔زارا نے کہا کہ میں تھوڑی دیر میں بند کرتی ہوں۔کمال الدین کی بیٹی اپنے ابو کو کہا کہ اس نے لائٹ بند کرنے سے انکار کیا ہے۔اسی وجہ سے کمال الدین ولد جمال الدین نے تھپڑوں اور مکوں سے زارا کو مارا۔زارا کے میاں نے خوب جھگڑا کیا اور کہا کہ میرے گھر میں غصہ کر کے میری بیوی پر تشدد کیا۔محلّہ کے اور لوگوں نے کمال الدین کو خوب مارا اور بعد میں محلّہ کی عورتوں کو زارا کے گھر بھیجا۔زارا پر تشدد کا نوٹس لیا جائے۔

(اسداللہ شیخ)

لڑکی اور لڑکے کا لرزہ خیز قتل

نوشہرہ ضلع نوشہرہ کے علاقے دوراز گئی میں غیرت کے نام پر جوان سال لڑکی اور لڑکے کو فائرنگ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا، مقتولین آپس میں چچازاد تھے۔ نوشہرہ کے علاقہ دوراز گئی نظام پور کے رہائشی سیف الملوک ولد امروز نے پولیس کو یوں رپورٹ درج کراتے ہوئے بتایا کہ میں کسی کام کی غرض سے گھر سے باہر تھا اور مجھے اطلاع ملی کہ تمہاری بیٹی مسماۃ ن اور بھتیجا مصباح اللہ ولد امجد خان آپ کے گھر میں مردہ حالت میں پڑے ہیں، تو دیکھا کہ میری بیٹی اور بھتیجا خون میں لت پت مردہ حالت میں پڑے ہیں، معلوم ہوا کہ میری بیٹی اور بھتیجے کو میرے بیٹے عامل خان نے فائر کر کے قتل کئے ہیں۔ یہی رپورٹ مقتول مصباح اللہ ولد امجد خان کے بھائی حبیب اللہ ولد امجد خان نے بھی ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر اسپتال کے کیجولٹی میں بیان دیا۔ ملزم ارتکاب جرم کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی، واضح رہے کہ وجہ عناد ناجائز تعلقات بتائے جا رہے ہیں۔

(نامہ نگار)

کاشتکاروں کا احتجاج

نوشہرو فیروز نواحی علاقہ پڈعیدن کے قریب نیوسانگی مائینر شاخ میں زرعی پانی کی قلت سے متاثر کاشتکاروں کا احتجاجی دھرنا، جلالجی روڈ بلاک کر کے ٹائرز نذر آتش، نوابشاہ، سکھر جانے والی ٹریفک معطل، روڈ کے دونوں اطراف گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگ گئی۔ لوگوں کو پریشانی کا سامنا، ہماری فصلیں سوکھ رہی ہیں، آبپاشی عملہ بااثر افراد کو پانی دے رہا ہے غربت کاشتکاروں سے رشوت طلب کی جارہی ہے، شرکاء دھرنا کا الزام۔ تفصیلات کے مطابق پڈعیدن کے قریب نیوسانگی مائینر شاخ میں زرعی پانی کی قلت کے خلاف ٹیل شاخ کے کاشتکاروں احتر حسین راجپر، ظفر راجپر، عابد راجپر، جاوید راجپر، اللہ بچایو

ھنگورو، اصغر جویو، اختر بھریجو، مینھوں خان سیال، سمیت دیگر نے جلالجی روڈ ہر ٹائروں کو آگ لگا کر احتجاجی دھرنا دیا اور روڈ بلاک کر دیا مین روڈ بلاک ہونے سے نوابشاہ اور سکھر جانے ٹریفک معطل ہو کر رہ گئی گھنٹہ روڈ بلاک ہونے سے مسافروں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، شرکاء دھرنا نے محکمہ آبپاشی کے خلاف سخت نعرے بازی کی اور الزام عائد کیا ہے کہ کئی ماہ سے زرعی پانی کی قلت سے گندم اور سبزیوں کی بوائی شدید متاثر ہو رہی ہے نیوسانگی شاخ کے آخری سرے کے غریب کاشتکاروں کو زرعی پانی نہیں دیا جارہا ہے اور رشوت طلب کی جارہی ہے، جبکہ بااثر افراد کو پانی دیا جارہا ہے غریب کاشکاروں کا معاشی قتل کیا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈیزل اور ڈی اے پی کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں انہوں نے وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ صوبائی وزیر زراعت اور محکمہ آبپاشی کے اعلیٰ افسران سے مطالبہ کیا ہے کہ نیوسانگی شاخ میں پانی فراہم کیا جائے بصورت دیگر سخت احتجاج پر مجبور ہونگے۔ (الطاف حسین)

خالی اسامیاں پر کی جائیں

نوشکی 16 نومبر 2021 کو گورنمنٹ ڈگری گرلز کالج میں 19 گریڈ ایسوسی ایٹ پروفیسروں کی 3 پوسٹیں 18 گریڈ اسسٹنٹ پروفیسروں کی 7 پوسٹیں 17 گریڈ لیکچرارز 8 پوسٹ یس ڈی پی کی 1 پوسٹ گزشتہ 10 سے زائد سالوں سے خالی ہیں نوشکی ڈگری کالج کے 4 لیکچرار نوشکی ڈگری کالج سے ڈراول آف پے لینے کے باوجود بھی گرلز انٹر کالج مچ ڈسٹرکٹ بولان میں ڈیوٹیاں دے رہی ہیں جو ڈگری گرلز کالج نوشکی کے طالبات کے ساتھ سراسر ظلم اور زیادتی کے مترادف ہے گرلز ڈگری کالج نوشکی میں 1200 سے زیادہ طالبات تعلیم حاصل کر رہی ہیں لیکن محکمہ تعلیم کے اعلیٰ حکام منتخب عوامی نمائندوں کے عدم توجہی کا اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے نوشکی گرلز کالج میں اساتذہ کی آسامیاں خالی ہیں جسکی وجہ سے گزشتہ دس سالوں سے ہزاروں طالبات کو بہتر درس تدریس کے سلسلے میں جن مشکلات دشواریوں اور وقت کے ضیاع کا سامنا کرنا پڑا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہیں صوبائی حکومت تعلیم کے فروغ کے لیے بلند بانگ دعوے کرتے ہوئے نہیں تھکتی لیکن دوسری جانب صوبائی حکومت کوئیٹہ کے قریبی ڈسٹرکٹ نوشکی کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے میں گزشتہ دس سالوں سے اساتذہ کے پوسٹوں پر اساتذہ کے عدم تعیناتی صوبائی حکومت محکمہ تعلیم کے ارباب اختیار اور عوامی نمائندوں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہیں سب سے بڑے تعلیمی ادارے کی آس صورت حال سے دیگر تعلیمی اداروں کی زبوں حالی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے گرلز کالج کے طالبات نے صوبائی حکومت سکیرٹری تعلیم کی توجہ گرلز ڈگری کالج نوشکی میں اساتذہ کے ترجیحی بنیادوں پر تقرریوں کے جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے فوری طور پر اساتذہ کی تقرریاں عمل میں لائی جائے۔

(محمد سعید بلوچ)

پروفیسر کے قاتلوں کی عدم گرفتاری کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

حیدرآباد کراچی میں قتل ہونے والے سندھ یونیورسٹی جامشورو کے پروفیسر زین العابدین سوڈھر کے قاتل گرفتار نہ کئے جانے کے خلاف 2 نومبر کو حیدرآباد پریس کلب کے سامنے سوڈھر برادری کی جانب سے احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ اس موقع پر تاج محمد سوڈھر، غلام شبیر اور دیگر نے کہا کہ چار روز قبل جامشورو سے کراچی جانے والے سندھ یونیورسٹی کے پروفیسر زین العابدین کو دہشت گردوں نے گولیاں مار کر بیدردی سے قتل کر دیا تھا اور اس واقعے کو چار دن گزر جانے کے باوجود کراچی پولیس نے ابتک ایک بھی ملزم کو گرفتار نہیں کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک استاد کا قتل شعور کا قتل ہے، پروفیسر زین العابدین شریف اور ایک بہترین استاد کے ساتھ محبت کرنے والے انسان تھے جن کی کسی سے بھی دشمنی نہیں تھی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ پروفیسر زین العابدین کے قاتلوں کو گرفتار کر کے مقتول کے ورثاء کو فوری انصاف فراہم کیا جائے۔ دوسری صورت میں سوڈھر برادری کی جانب سے حیدرآباد پریس کلب کے سامنے احتجاجی دھرنا دیا جائے گا۔

(لالہ عبدالحلیم شیخ)

گلگت بلتستان میں تقریباً 50 ہزار بچے چائلڈ لیبر میں ملوث ہیں

اسلام آباد ایک نئی رپورٹ میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ جی بی میں 13.1 فیصد چائلڈ لیبر ہے، جہاں ہر سات میں سے ایک بچہ کام کررہا ہے۔' گلگت بلتستان چائلڈ لیبر سروے 2018-19 کے مطابق، بہت سے بچے خطرناک حالات میں کام کرتے ہیں اور دماغی صحت کے مسائل کی اطلاع دینے کا امکان تقریباً دوگنا ہوتا ہے۔ یہ ملک میں 1996 کے بعد اس طرح کا پہلا سروے ہے۔ یہ جی بی میں کرایا جانے والا سب سے بڑا سروے بھی ہے، جس میں تمام 10 اضلاع کے 7,032 گھرانوں کا نمائندہ نمونہ پیش کیا گیا ہے جو کہ پانچ سے 17 سال کی عمر کے تقریباً 400,000 بچوں کی نمائندگی کرتے ہیں، جو شہروں اور شہروں میں رہتے ہیں۔ خطے کے دیہی علاقوں۔ یونیسف کے تعاون سے کیے گئے اس سروے میں کہا گیا ہے کہ ایسے گھرانوں میں رہنے والے بچوں میں چائلڈ لیبر کا رجحان کم ہے جہاں گھر کے سربراہ نے ہجرت کی ہو، اس گھرانے میں رہنے والے بچوں کے مقابلے میں جہاں گھر کے سربراہ نے کبھی ہجرت نہیں کی ہو۔ غریب گھرانوں کے بچے مختلف اقدامات کے ذریعے امیر گھرانوں کے بچوں کے مقابلے چائلڈ لیبر میں زیادہ ہوتے ہیں۔ گھر کی اوسط آمدنی ان بچوں کے لیے زیادہ ہے، جو چائلڈ لیبر میں نہیں ہیں۔ "جی بی کی حکومت ہر بچے کے بنیادی حقوق کے تحفظ اور ہر بچے کی بنیادی تعلیم، صحت، سماجی اور ذہنی تندرستی اور آئین پاکستان اور اقوام متحدہ کے بچوں کے حقوق کے کنونشن کے تحت ہر بچے کی رسائی کو یقینی بنانے کے لیے سختی سے پرعزم ہے۔" یہ بات جی بی کے وزیراعلیٰ خالد خورشید خان نے بدھ کو گلگت میں سروے کا آغاز کرتے ہوئے کہی۔ سروے میں اس بات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ جی بی میں پانچ سے 17 سال کی عمر کے تقریباً 30 فیصد بچے اسکول نہیں جاتے۔ ان لوگوں میں، جو اسکول جاتے ہیں، 88 فیصد لڑکوں اور 77 فیصد لڑکیوں کے ساتھ صنفی تفاوت ہے۔ پاکستان میں یونیسیف کی نمائندہ ایڈا گرمانے کہا، "ہر بچے کو نقصان کے استحصال اور بدسلوکی سے محفوظ رہنے کا حق ہے۔" بچوں کو سیکھنے کے مواقع تک رسائی فراہم کی جانی چاہیے-عزت کے ساتھ زندگی گزارنے اور ان کی مکمل صلاحیتوں تک پہنچنے کے لیے استحصالی معاشی سرگرمیوں میں مشغول ہونے کے برخلاف۔ لیبر: سروے-پاکستان ترین کہانیاں صرف اس صورت میں حاصل کی جاسکتی ہیں جب کوئی بچہ باقی نہ رہے۔ پیچھے، چاہے حالات کتنے ہی مشکل اور چیلنجنگ کیوں نہ ہوں،" اس نے کہا۔ بتایا گیا ہے کہ 10 سے 13 سال کی 2.0 فیصد لڑکیاں اور 14 سے 17 سال کی 7.4 فیصد لڑکیوں نے شادی کرلی ہے۔ تین میں سے ایک بچے کے پاس پیدائش کا سرٹیفکیٹ ہے، جس کا فیصد لڑکوں کے لیے لڑکیوں کے مقابلے میں 1.3 پوائنٹ زیادہ ہے اور بڑی عمر کے گروپوں کے بچوں کے لیے زیادہ ہے جو کہ پانچ سے نو سال کی عمر کے بچوں اور 14 سے 17 سال کی عمر کے بچوں کے درمیان 14.8 فیصد پوائنٹس کا فرق ہے۔ چائلڈ لیبر میں ملوث بچے اوسطاً ایسے گھرانوں میں رہتے ہیں جن کے ارکان چائلڈ لیبر میں نہ ہونے والے بچوں کے مقابلے قدرے کم ہیں۔ چائلڈ لیبر میں مبتلا بچوں کے والدین دونوں کے ساتھ رہنے کا امکان کم ہوتا ہے، اور کم از کم ایک والدین سے محروم ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ تمام گھرانوں کے ایک چوتھائی سے زیادہ میں کم از کم ایک بچہ چائلڈ لیبر میں ہے۔ گھر کی دولت کے ساتھ چائلڈ لیبر کی شرح کم ہوتی ہے۔ غریب ترین دولت والے گھرانوں میں سے تقریباً 40 فیصد گھرانوں میں ایک بچہ چائلڈ لیبر کا شکار ہے۔ ایسے گھرانوں کا فیصد جن میں کم از کم ایک بچہ چائلڈ لیبر کا شکار ہے، شہری علاقوں کے مقابلے دیہی علاقوں میں تین گنا زیادہ ہے جہاں چائلڈ لیبر کی شرح 10 فیصد ہے۔

جن گھرانوں میں گھر کے سربراہ نے سب سے زیادہ تعلیم مکمل کی ہے وہ پرائمری اسکول کے کسی بھی گریڈ میں ہیں ان میں کم از کم ایک بچہ چائلڈ لیبر میں مبتلا ہونے کا سب سے زیادہ امکان ہے اور جن گھرانوں میں کم از کم ایک بچہ چائلڈ لیبر میں ہے ان کی تعلیم کی سطح کے ساتھ کمی واقع ہوتی ہے۔ گھریلو سربراہ اور ان گھرانوں کے لیے تقریباً 10 فیصد پوائنٹس کم ہے جہاں گھر کے سربراہ نے 26.7 فیصد کی اوسط کے مقابلے میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ یہ تجویز کرتا ہے کہ چونکہ چائلڈ لیبر ایک پیچیدہ مسئلہ ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ایک مربوط پولک سروے کا جواب وضع کیا جائے، جس میں تعلیم، سماجی تحفظ، مزدوری کی منڈیوں اور قانونی معیارات اور ضوابط پر توجہ دی جائے۔ یہ نمایاں کرتا ہے کہ تقریباً 14.8 فیصد طلباء نہ تو اسکول میں ہیں اور نہ ہی کام کر رہے ہیں۔ یہ بچے خاص طور پر چائلڈ لیبر میں مصروف ہونے کا خطرہ رکھتے ہیں۔ سروے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ بچے اسکول کیوں نہیں جاتے، خاص طور پر جب کہ پبلک سیکٹر کے اسکول جی بی میں مفت تعلیم فراہم کر رہے ہیں۔

(ڈان میں 28 اکتوبر 2021 کو شائع ہوئی)

بچے سخت سردی میں کھلے آسمان تلے

وادی تیراہ وادی تیراہ میدان ضلع خیبر کے گاؤں تختکی کمرخیل میں قائم پرائمری سکول کے بچے سخت سردی میں کھلے آسمان تلے زمین پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق ضلع خیبر وادی تیراہ میدان کے گاؤں تختکی میں قائم پرائمری سکول میں سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے طالب علموں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے شدید سرد موسم میں سکول کے بچے کھلے آسمان تلے زمین پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کررہے ہیں، سکول میں بچوں کے کرسیاں اور ٹاٹ تو دور کی بات ہیں یہاں تک سکول ٹیچرز کے لئے کرسی تک موجود نہیں ہے۔ سکول ٹیچر عربستان کا کہنا ہے کہ یہ سکول ایجوکیشن فاؤنڈیشن کی جانب سے بنایا گیا ہے سکول میں تقریباً 35 کے قریب طالبات اور 40 کے لگ بھگ طلباء زیر تعلیم ہے سکول میں صرف ایک کمرہ ہے جس میں اتنے سٹوڈنٹس کو بیٹھنا ناممکن ہے اور میرے ساتھ کوئی دوسرا استاد بھی موجود نہیں ہے یہاں کے بچیں ایک ایسے ماحول میں علم کی پیاس بجھا رہے ہیں جس کیلئے انہیں سخت سردی میں روزانہ تین چار کلومیٹر کا سفر پیدل طے کرنا پڑتا ہے اور بنیادی تعلیمی ضروریات کا نام ونشان تک نہیں۔ علم کی شمع سے محبت کرنے والے موسم کی سختی اور طویل پیدل سفر کی تکلیف برداشت کررہے ہیں۔ جنت کے پھول اپنے اس ویران چمن کو اپنی امیدوں کا رنگ اور اپنے مسکراہٹوں کی خوشبو دے رہے ہیں۔ انہوں ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ ضلع خیبر اور صوبائی وزیر تعلیم سمیت اعلیٰ حکام سے مذکورہ سکول کے بچوں کو سہولیات دینے سمیت اس علاقے کے نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرنے کا مطالبہ کردیا۔

(مسعود شاہ)

زیادتی کرنے والا مجرم گرفتار

ٹوبہ ٹیک سنگھ ایف آئی آر میں مدعیہ نے بتایا کہ وہ رات کو اپنے گھر میں سورہی تھیں کہ جب گاؤں چھاراجے والی کا رہائشی ملزم آدھی رات کو ان کے گھر میں گھس آیا۔ ایف آئی آر کے مطابق ملزم نے ان پر قابو پا کر ان کے گردن میں رسی ڈال کر انہیں باندھا اور اس کے بعد مبینہ طور پر ریپ کردیا۔ بعدازاں پولیس نے معمر خاتون کو طبی معائنے کے لیے کمالیہ کے تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال منتقل کردیا۔ پولیس نے اس گھناونے جرم میں ملوث ملزم کو گرفتار کرنے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

(اعجاز اقبال)

بیوی پر تشدد

بہاولپور بشیر آباد میں زیادہ مستری مزدور رہتے ہیں۔ یہاں اکثریت غریب اور گھروں میں کام کرنے والی عورتوں کی ہے۔ یہاں زیادہ تر بیوہ عورتیں گھروں میں کام کرتی ہیں، تب اکران کے گھر کا چولہا جلتا ہے۔ بشیر نے اپنی بیوی کو کافی دفعہ کہا کہ وہ نوکری ٹھیک کرے لیکن اس کی بیوی باز نہیں آئی۔ ایک دن اس نے اپنی بیوی کو اتنا مارا کہ اس کے سر اور پورے جسم پر زخم ہو گئے۔ اس کی ساس نے اس پر ایف آئی آر کٹوائی مگر وہ گرفتار نہیں ہوا اور وہ گھوم رہا ہے۔ جبکہ اس کی بیوی ہسپتال میں داخل ہے۔ عائشہ زوجہ بشیر کی اعلیٰ اداروں سے گزارش ہے کہ ہم غریبوں پر ایسا تشدد نہیں ہونا چاہیے۔

(اسداللہ شیخ)

تین نوجوان لاپتہ

حب 2008 سے چار، چار نوجوانوں کو جبری طور پر لاپتہ کرنے کے بعد انکی مسخ شدہ لاشیں ملی ہیں۔ ابھی لاپتہ ہونے والے نوجوانوں میں زبیر زہری ولد سراج زہری، عدنان مینگل ولد خدا بخش مینگل، اور بلال زہری شامل ہیں۔ تینوں نوجوانوں کو الہ آباد ٹاؤن حب لسبیلہ سے اٹھایا گیا۔ ان نوجوانوں کی رشتیداری مسنگ پرسن راشد حسین زہری کے خاندان سے ہے۔ میانداد ولد رسول بخش کا تعلق وزیر اعلیٰ عبدالقدوس بزنجو کے علاقے جھاؤ بینٹ اوارون سے ہے۔ میانداد کی عمر 16 سال بتائی جارہی ہے۔ ان کے چچا خیر بخش کو 2011 میں لسبیلہ جھاؤ کراس سیوگین اتارا گیا جنکی مسخ شدہ لاش ملی تھی۔ اسکے بعد سیاسی فیملی کا چوتھا نوجوان ہے جسے نومبر 2021 کے پہلے ہفتے میں لاپتہ کیا گیا ہے۔ نصراللہ بلوچ نے کہا ہے کہ کلبھوشن سمیت دیگر غیر ملکی مجرموں کے لیے تو قانون سازی کی جاسکتی ہے لیکن لاپتہ افراد کے اہلخانہ کو ملک میں یہ حق بھی حاصل نہیں کہ انکے لاپتہ افراد کو منظر عام پر لایا جائے اور انکے ساتھ ملکی آئین کے تحت رویہ اختیار کیا جائے۔

(عبداللہ بلوچ)

سول ہسپتال کھنڈرات میں تبدیل

چمن چمن شہر نیو ہسپتال فعال ہونے کے بعد پرانا سول ہسپتال تاج روڈ شہر کے وسط میں دن بدن عدم توجہ نہ ہونے کی وجہ سے کھنڈرات میں تبدیل ہو رہا ہے۔ واش روم وارڈ گندگی سے بھرا ہوا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ دروازے کھڑکیاں بھی چوری ہونے شروع ہو گئے۔ نعیم آزاد نے بتایا کہ یہاں پر تعینات سیکورٹی فورسز اور ڈاکٹر نرسسز بھی اکثر اوقات ڈیوٹی سے غیر حاضر ہے۔ ایم پی اے، ڈپٹی کمشنر چمن اور ایم ایس سے اپیل کرتے ہیں کہ خدارا چمن شہر کے پرانے سول ہسپتال کو بچایا جائے۔ ورنہ یہ ہسپتال بہت جلد منشیات کا گڑھ بن جائیگا۔ اکثر اوقات سرکاری تعمیر جب بھی خالی ہو جاتا ہے وہاں پر منشیات کے عادی افراد کا آماجگاہ بن جاتا ہے۔ سول ہسپتال چمن شہر کے وسط میں واقع ہے یہاں پر اکثر اوقات ایمرجنسی مریض علاج کیلئے لایا جاتا ہے۔ صوبائی وزیر صحت اور ایم پی اے ایم این اے ڈپٹی کمشنر اس کا سخت نوٹس لے۔ غفلت کرنے والے سرکاری ملازمین کے خلاف سخت ایکشن لیا جائے۔

(محمد صدیق)

شہریوں کا ماروائے عدالت جاری

باڑہ آفریدی قوم کا ایک اور 21 سالہ نوجوان عادل خان ولد شیرزا خان کو پشاور پولیس نے فائرنگ کرکے شہید کردیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق واقعہ شام کے وقت جب عادل جان محنت مزدوری سے موٹر سائیکل پر واپس اپنے گھر جارہا ہے، دریں اثناء تھانہ پشتخرہ کی حدود میں ناکہ بندی پر کھڑے پولیس والوں نے انہیں اشارہ کیا مگر نہ روکنے کی وجہ اس پر ڈائریکٹ فائرنگ شروع کردی، عادل خان آفریدی ولد شیرزا خان آفریدی قبیلہ شلوبر شدید زخمی کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گئے۔ ذرائع کے مطابق پولیس کا کہنا ہے کہ افسوسناک واقعے میں ملوث پولیس اہلکار سے غلطی میں بندوق چلی ہے جس پولیس کانسٹیبل کیخلاف باقاعدہ ایف آئی آر درج ہو چکی ہیں۔ لاش پوسٹ مارٹم کے بعد ورثاء کے حوالہ کی گئی۔

(مسعود شاہ)

سسر کا اپنی بہو پر جنسی زیادتی

بہاولپور شیخ محلّہ کے رہائشی محمد بخش نے اپنی بیٹی کا رشتہ جمالی قوم میں کیا۔ وہاں آئے دن لڑائی جھگڑے ہوتے تھے۔ محمد بخش کی لڑکی اپنے والدین سے شکایت کرتی رہی کہ مجھ پر سُسر جنسی زیادتی کر رہا ہے مگر کسی نے اُس کی بات پر اعتبار نہیں کیا۔ ایک دن اس کی لڑکی کو اپنے سُسر کے ساتھ پایا گیا۔ اُسی رات اس کا میاں اور اس کا سُسر جگہ خالی کرکر فرار ہو گئے۔ محمد بخش کا کہنا ہے کہ میں اپنی بیٹی کو طلاق دلواؤں گا۔ ایف آئی آر درج نہیں کروائی گئی۔ بس علاقائی فیصلہ ہوگا۔

(اسداللہ شیخ)

صحافیوں کے قومی کنونشن کے مطالبات

اسلام آباد پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس اور راولپنڈی اسلام آباد یونین آف جرنلسٹس کے زیراہتمام 17 نومبر کو اسلام آباد میں ہونے والے قومی جرنلسٹس کنونشن کا انعقاد ہوا جس میں سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں، سول سوسائٹی کے کارکنان، وکلا برادری کے قائدین اور صحافیوں کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔ شرکاء نے درج ذیل مطالبات پر مشتمل منشور کی منظوری دی: حکومت تمام متعلقہ فریقین کا فوری اجلاس منعقد کرے میں میں شعبہ ذرائع ابلاغ کو درپیش مسائل اور مالی بحران سے نمٹنے پر غور ہو سکے؛ تنخواہوں میں کٹوتیوں کا سلسلہ بند کیا جائے، واجبات کی ادائیگی کروائی جائے اور برطرفیوں کا عمل فوری طور پر رکوایا جائے؛ ملک بھر میں الیکٹرانک، ڈیجیٹل اور پرنٹ میڈیا کے لیے ایک جیسا سروس سٹرکچر تشکیل دیا جائے؛ میرٹ پر مبنی اشتہارات کی پالیسی مرتب کی جائے؛ ویج بورڈ پر عملدرآمد کے لیے لائحہ عمل تشکیل دیا جائے اور اشتہارات کو ملازمین کی تنخواہوں سے منسلک کیا جائے؛ علاقائی اخبارات کا اشتہاری کوٹہ فی الفور بحال کیا جائے؛ میڈیا ورکرز کے لیے تعلیم، صحت کی سہولیات اور آسان شرائط پر قرضوں کا اعلان کیا جائے؛ صحافیوں کے حالات کار، صحت، اور تحفظ سے متعلقہ امور پر محکمہ لیبر اقدامات کرے؛ وفاقی وصوبائی حکومتیں یکساں اشتہاری پالیسی نافذ کریں؛ آئی ٹی این ای میں مزید ججوں کی تعیناتی کی جائے؛ الیکٹرانک کرائمز ایکٹ، آرٹیکل 19، اور 19 الف کا ازسرنو جائزہ لیا جائے؛ پیمرا قوانین کا غلط استعمال اور سنسر شپ اقدامات سے اجتناب کیا جائے؛ ڈیجیٹل اور آن لائن میڈیا کنٹرول کرنے کے لیے بنائے گئے قوانین فوری واپس لیے جائیں؛ دوران ڈیوٹی یا کسی بھی ناگہانی کی صورت میں مرنے والے میڈیا ورکر کی فیملی کے لیے بیس لاکھ فی کس امداد کا اعلان کیا جائے؛ پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو مقدمات سے روکا جائے؛ سندھ حکومت ڈینیل پرل اور ولی بابر کیس دوبارہ کھولے اور متاثرہ خاندانوں کو جلد انصاف اور ذمہ دار پولیس اہلکاروں کو سزا دے؛ صوبائی حکومتیں ضلعی سطح پر پریس کلب بنانے کے لیے اقدامات کریں۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔
دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔
دفعہ - 21	(۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشو و نما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشو و نما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو و نما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

لیاقت علی
2021-1964

لیاقت علی نے بطور ڈرائیور جنوری 1995 میں ایچ آر سی پی میں شمولیت اختیار کی۔ وہ عاصمہ جہانگیر، آئی اے رحمان، عزیز اے۔صدیقی، بریگیڈیئر (ر) راؤ عابد حمید، ایئر مارشل ظفر چوہدری کے ساتھ طویل عرصہ تک کام کرتے رہے۔لیکن سب سے زیادہ خوش وہ آئی اے رحمان صاحب کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ اپنا کام نہایت ذمہ داری اور دیانتداری سے سرانجام دیتے رہے۔ وہ ایچ آر سی پی کی کئی فیکٹ فائنڈنگ، ورکشاپس، مشنز لاہور کے علاوہ پنجاب اور خیبر پختونخوا کے مختلف اضلاع میں بھی ساتھ رہے۔ وہ ہمیشہ اپنی ڈیوٹی پر وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ وہ صبح پورے 7 بجے دفتر آجاتے تھے جبکہ دفتر کا ٹائم صبح 9 تا 5 ہے۔ اکثر اوقات دفتری اوقات کے علاوہ بھی گھنٹوں کام کیا کرتے تھے لیکن کبھی شکوہ نہیں کرتے تھے۔ گاڑی بہت ہی احتیاط سے چلاتے تھے اور آج تک کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ 2016ء میں کچھ وجوہات کی بناء پر وہ ایچ آر سی پی چھوڑ کر چلے گئے لیکن زیادہ دیر ایچ آر سی پی سے دور نہ رہ سکے اور دوبارہ 2018ء میں واپس آگئے اور آخری وقت تک ایچ آر سی پی کے ساتھ رہے اور جس دن ان کا انتقال ہوا اس دن بھی اپنی ڈیوٹی پوری کر کے گھر واپس خود موٹر سائیکل چلا کر گئے۔ ایچ آر سی کو دوبارہ جوائن کرنے کے بعد انہیں دل کا عارضہ لاحق ہو گیا اور وہ بیماری کی حالت میں بھی اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔

اظہارِ لاتعلقی: براہِ مہربانی نوٹ کرلیں کہ فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) کا جہدِ حق کے متن سے مُتفق ہونا ضروری نہیں۔ لہٰذا، جہدِ حق میں شامل مواد و خیالات کی ذِمہ داری کسی طور پر بھی ایف این ایف پر عائد نہیں کی جاسکتی۔

اظہارِ تشکّر: جہدِ حق کی اشاعت کے لیے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن فار فریڈم (ایف این ایف) نے مالی معاونت کی ہے جس کے لیے ایچ آر سی پی، ایف این ایف کا انتہائی مشکور ہے۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15